نگہت سیما

”تو آپ ہیں ثنا مبین؟“

میں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر مبہوت رہ گئی۔

اتنا مکمل حسن، سفید دودھیاں رنگت میں گلابی رنگ اس طرح گھل مل گیا تھا جیسے کانچ کے بلوریں جام سے اسٹرابیری کی آئس کریم کا رنگ جھلکتا ہے، اتنی لمبی، اتنی دلکش آنکھیں میں نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھی تھی ان آنکھوں کا رنگ کیا تھا، اتنے برس اس کے اتنے قریب رہنے کے باوجود میں کبھی نہیں جان سکی کبھی تو وہ مجھے براؤن لگتیں کبھی سرمئی کبھی سرمئی رنگت میں سمندروں کی نیلاہٹیں گھل جاتیں جب وہ بہت خوش ہوتی تو اس کی آنکھوں کی جگمگاہٹوں میں نیلے کانچ دمکتے

اور وہ سمندروں کی طرح لگتیں اور جب وہ اداس ہوتی تو اس کی آنکھیں سرمئی سرمئی لگنے لگتیں اور جب وہ سنجیدہ ہوتی تو وہ براؤن براؤن سی لگنے لگتیں بارہا اسے دیکھنے اور اس سے ملنے کے باوجود میں اس کی آنکھوں کا رنگ نہ جان سکی تھی اس کی آنکھوں کی تعریف میں یہی کہا جا سکتا تھا کہ اس کی آنکھیں تمام دنیا کی عورتوں کی آنکھوں سے زیادہ دلکش تھیں ان دلکش آنکھوں کی محافظ اتنی لمبی اتنی گھنی پیچھے کو مڑی پلکیں خمدار ہونٹ، ناک میں چمکتی لونگ اس کی بے حد خوبصورت ناک کے حسن میں اضافہ کر رہی تھی کشادہ پیشانی پر ہلکے ہلکے پسینے کے قطرے، بائیں رخسار پر ننھا سا سیاہ تل، صراحی دار گردن میں نازک سی طلائی زنجیر، قتل کے سارے سامان کے ساتھ وہ ثنا مبین جس کے متعلق میں نے ادھر اُدھر سے بہت سن رکھا تھا میرے سامنے کھڑی تھی اور میں اس کا ہاتھ ہاتھوں میں لیے ساکت کھڑی تھی یوں جیسے

کسی طلسم کے زیر اثر ہوں۔

آپ سے ملنے کا بہت اشتیاق تھا۔

اس کی نرم دل میں اتر جانے والی آواز مجھے ہوش میں لے آئی وہ تو سر

تا پا حسن تھی،

لہجے کی نغمگی سے لے کر سیاہ بالوں کی گھٹاؤں تک پھر اگر سراج

الدولہ بہادر اس کے عشق میں سر تا پا ڈوب کر ہوش و خرد سے بیگانہ ہو

رہے تھے تو یہ کوئی ایسی حیرت ناک بات ہرگز نہ تھی میں تو خود مسحور ہو

گئی تھی اور وہ جو پچھلے چھ ماہ سے مجھے سراج الدولہ سے بے حد بہت

گلے شکوے پیدا ہو گئے تھے آن کی آن میں ختم ہو گئے اور وہیں

کھڑے کھڑے اس کا ہاتھ ہاتھوں میں لیے لیے میں نے سراج

الدولہ کے سارے قصور معاف کر دیئے۔

آپ نواہیں نوائے زیست۔

اس کے ہونٹوں پر ایک دلکش سی مسکراہٹ آ کر ٹھہر گئی، تو میں چونکی اور میں نے کسی قدر حیرت سے اسے دیکھا۔

آپ.........آپ کو مجھ سے ملنے کا اشتیاق تھا کیا آپ آج سے قبل مجھے جانتی تھیں؟

ہاں......اس کی آنکھوں میں نرم نرم سا تاثر تھا۔

بہت ذکر سنا تھا آپ کا بے حد۔

کس سے؟ میں اس کا ہاتھ یوں ہی ہاتھوں میں لیے بیٹھ گئی۔

صاحبزادہ سراج ہے۔

مثبت یا منفی؟ میں نے ہولے سے اس کا ہاتھ دبا کر چھوڑ دیا۔

مثبت..........آپ کا ذکر منفی ہو ہی نہیں سکتا۔

اس کے لہجے میں خلوص و محبت کی گرم جوشی اور آنکھوں میں محبتوں کے رنگ جھلملا رہے تھے۔

آپ سے......آپ نوا! بہت اچھی ہیں بے حد اور مجھے ہمیشہ آپ سے ملنے کا بہت بے حد اشتیاق رہا۔

مجھے بھی مجھے بھی آپ سے ملنے کا بہت اشتیاق تھا ثنا بے حد۔

میں نے ذرا کی ذرا نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر نظریں جھکا لیں کہیں میری نظر ہی نہ لگ جائے۔

سچ۔اس کے لہجے میں ننھے بچوں کی سی معصومیت اور اشتیاق تھا۔

ہوں۔میں مسکرائی۔

بہت ذکر سنا ہے آپ کا۔

مثبت یا منفی۔

میرا جی چاہا کہ کہہ دو منفی ابھی کچھ دیر پہلے تک میرے دل میں اس کے لئے بہت غصہ اور نفرت سی تھی اور جب میں یہاں آ رہی تھی تو میں سوچ رہی تھی کہ میں ثنا مبین سے صاف صاف کہہ دوں گی کہ وہ سراج

کو آزاد کر دے پہلے ہی پابند ہے وہ نہیں بلکہ اس سے طنزیہ باتیں
کروں گی اور اسے یونہی جتاؤں گی کہ وہ غاصب ہے لیکن اسے دیکھتے
ہی جیسے سارا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ عروج
فاطمہ کے ہاں جاب بھی میں نے ثنا مبین کو دیکھنے اور اس سے ملنے
کے لئے کی تھی مجھے عادلہ یوسف نے بتایا تھا کہ عروج فاطمہ، ثنا مبین
کی پھپھو ہیں عروج فاطمہ ایک این جی او چلاتی تھیں اور انہیں اپنی

این جی او کے لئے ایک مخلص کارکن کی ضرورت تھی جو تھوڑی بہت
اکاؤنٹ سے شد بد رکھتی ہو اور کم تنخواہ پر ان کے ہاں کام کر سکے اور یہ
ایک اچھا موقعہ تھا میں نے عادلہ یوسف سے درخواست کی کہ وہ
میرے لئے عروج فاطمہ سے بات کرے دراصل عادلہ کی ایک کزن
پہلے اس این جی او میں کام کر رہی تھی اور اب شادی کے بعد چونکہ وہ
امریکہ جانے والی تھی اور عروج فاطمہ کو اس کی جگہ نئی لڑکی رکھنا تھی سو

میری کمپیوٹر کی شوقیہ ٹریننگ کام آئی۔

عادلہ نے مجھے بتایا تھا کہ ثنا ہفتے دو ہفتے میں ضرور اپنی پھپھو کے ساتھ دفتر آتی ہے اور مجھے عروج فاطمہ کے ساتھ کام کرتے دو ہفتے گزر گئے تھے اور ثنا نظر نہیں آئی تھی اندر ہی اندر میں بہت مضطرب تھی۔

پچھلے چھ ماہ سے مجھے سوائے ثنا مبین کے اور کچھ سوجھا ہی نہ تھا جب سے عادلہ نے مجھے بتایا تھا۔

سنو نوا! تمہیں کچھ خبر ہے تمہارے سراج الدولہ بہادر آج کل ثنا مبین کے گھر کے چکر لگا رہے ہیں۔

کون.........کون ثنا مبین!؟

مجھے شاک سا لگا تھا، سراج ایسے ہرگز نہیں تھے لڑکیوں کے پیچھے پھرنے والے وہ تو بڑے مدبر بڑے سنجیدہ اور بہت مختلف سے تھے۔

ہے ایک خوبصورت ناگن سنا ہے۔اس کا ڈسا پانی نہیں مانگتا۔

تم کیسے جانتی ہو؟

یار! میرے میاں بھی کچھ عرصہ اس کے در پر حاضری دیتے تھے لیکن پھر شاید اس نے گھاس نہیں ڈالی خود ہی ٹھنڈے ہو کر بیٹھ گئے انہوں نے مجھے بتایا ہے وہ چھوٹے موٹے لوگوں کی پرواہ نہیں کرتی اس کے لئے بڑے بڑے خاندانوں کے لڑکے خوار ہو رہے ہیں عروج فاطمہ نے اسے بتایا تھا کہ بہت بڑے بڑے خاندانوں سے رشتے آرہے ہیں لیکن وہ انکار کر دیتی ہے یوسف کے کسی دوست نے اسے بتایا تھا کہ وہ اور سراج مختلف فنکشنوں میں اکٹھے دیکھے جا رہے ہیں۔

اور پھر ادھر اُدھر سے بھی خبریں آنے لگیں۔

ایک دن آغا بھائی جو بابا جان سے ملنے آئے تھے مجھے ڈھونڈتے ہوئے میرے کمرے میں آ گئے۔

نوا۔ انہوں نے راز دارانہ انداز میں کہا۔

تم نے کچھ سنا ہے سراج کے متعلق۔

کیا۔ میں نے ہاتھ میں پکڑی کتاب جو پڑھ رہی تھی، تکیے پر اوندھی رکھ دی۔

وہ..........وہ آج کل کرنل مبین حیدر کی بیٹی میں بہت انٹرسٹڈ ہے۔

تو؟ میں نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

نوا۔ وہ جھنجھلا گئے تم ہمیشہ سے بہت احمق ہو..........لیکن یہ........ یہاں کسی حماقت کی گنجائش نہیں ہے........ پوچھو........ پوچھو اس سے سوال کرو اس سے پہلے کہ بات ہاتھوں سے نکل جائے۔

آغا بھائی میرے خالہ زاد بھائی تھے اور ہمیشہ میرے ساتھ ان کا برتاؤ بڑے بھائیوں جیسا رہا تھا بہت مخلص اور شفیق۔

میں نے سر ہلا دیا۔

صرف سر ہلانے سے کام نہیں چلے گا نوا بی بی!

جی۔

اب میں انہیں کیا بتاتی کہ پانی سر سے گزر چکا ہے سراج کی حالت کا میں ایک ماہ سے جائزہ لے رہی تھی۔

گھر میں ہوتے ہو کمرے میں گھسے غزلیں سنتے رہتے کھوئے کھوئے اداس اور پریشان سے میں نے ایک دو بار پوچھا بھی۔

سراج اپنی پرابلم؟

نوتھنگ۔

وہ سر جھٹک کر میرے سامنے سے ہٹ گئے تھے میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ میرا اسامنا کرنے سے گریز کرتے ہیں کم گو تو وہ شروع سے ہی تھے لیکن اب اور زیادہ ہو گئے تھے انہی دنوں انہوں نے سگریٹ پینے بھی شروع کر دیئے تھے ایک دن بی بی تاج نے شکایت کی۔

سراج بابا بہت سگریٹ پینے لگے ہیں۔

اچھا!

مجھے حیرت ہوئی تھی۔اس سے پہلے تو وہ سگریٹ نہیں پیتے تھے۔

میں صبح جب ان کا کمرہ صاف کرتی ہوں تو ایش ٹرے جلے سگریٹوں سے بھرا ہوتا ہے۔

جب تاج نے مجھے یہ بات بتائی تھی تب تک میں ثنا کے وجود سے بے خبر تھی سو اس روز شام کے وقت میں ان کے کمرے میں جا پہنچی اس وقت بھی سگریٹ ان کی انگلیوں میں دبا تھا، میں نے سگریٹ ان کے ہاتھ سے لے لیا۔

یہ کیا ہے سراج الدولہ بہادر؟

جب کبھی میں موڈ میں ہوتی تو یونہی انہیں سراج الدولہ بہادر کہہ کر بلایا کرتی تھی۔

سگریٹ۔

انہوں نے ادھ جلا سگریٹ میرے ہاتھ سے واپس لے لیا۔

کب سے؟

کچھ دنوں سے۔

کیوں؟

یونہی۔

آخر کچھ تو جواز ہوگا۔

بہت سی باتوں کا کوئی جواز نہیں ہوتا نوابیگم۔

کہیں عشق وشق تو نہیں ہو گیا، میں نے چھیڑا۔

ہو جاتا اگر زنجیریں نہ ہوتیں۔

زنجیریں کاٹی بھی تو جا سکتی ہیں اگر چاہیں تو۔

اتنے احسانات کا متحمل نہیں ہو سکتا، پہلے ہی گردن بوجھ سے ٹوٹی جا

رہی ہے۔

وہ بلا کے سنجیدہ لگ رہے تھے لیکن تب میں نہیں سمجھ سکی تھی اور دل ہی دل میں مسکرادی تھی۔

بدذوق، یہی بات کسی خوبصورت پیرائے میں بھی کہی جاسکتی تھی کہ میرا ساتھ چھوڑنا انہیں پسند نہیں ہے لیکن وہ تو سدا سے بدذوق تھے کسی خوبصورت بات کو کہنا انہیں کبھی نہیں آیا تھا۔

کیا میرا سوال بہت مشکل تھا جو آپ سوچ میں پڑ گئیں۔

ثنا کی آنکھوں کی قندیلیں بجھی بجھی سی لگنے لگیں میں نے چونک کر اسے دیکھا۔

اوہ.......نہیں تو، بس یونہی پتا نہیں کیا سوچنے لگی تھی میری بہت بری عادت ہے یہ بیٹھے بیٹھے کھو جاتی ہوں۔

سراج نے آپ کی ہر بات بتائی ہے چھوٹی سے چھوٹی عادت کا ذکر کیا ہے بہت ایڈمائر کرتے ہیں بہت تعریف کرتے ہیں آپ کی۔ کہتے

ہیں لاکھوں کروڑوں میں کوئی ایک لڑکی نوا جیسی ہوگی۔

اچھا.........اندر ہی اندر من کی کلی کھل اٹھی تو سراج اور ثنا مبین کا تعلق محض راز دار دوست کا ساتھا اور وہ ساری باتیں جو عادلہ یوسف اور دوسروں سے سنی تھیں میں نے وہ غلط تھیں اور میں نے یونہی کشٹ کاٹا۔ آغا بھائی کو ناراض کیا۔

می جی کو خفا کیا۔

محض ثنا تک پہنچنے اور اسے کھری سنانے کے لئے۔

میں چاہتی تھی سراج کو پتا بھی نہ چلے اور میں ثنا سے مل کر اسے بتا دوں کہ سراج میرا ہے۔

سراج سے کچھ پوچھنے اور سوال کرنے کا میرا قطعی کوئی اردادہ نہ تھا۔

آغا بھائی سے وعدہ کر لینے کے باوجود میں نے ثنا کے متعلق سراج سے کچھ نہیں پوچھا تھا میں سراج الدولہ بہادر کو بہت اچھی طرح جانتی

تھی اگر کچھ ہوتا بھی تو وہ کبھی نہ کھلتے سو میں نے ڈائریکٹ ثنا سے ملنے کے لئے اتنے پاپڑ بیلے تھے۔

یہ این، جی، اوز فراڈ ہوتی ہیں۔

آغا بھائی میرے سامنے کتنی ہی دیر این، جی اوز کے اندرونی راز مشکف کرتے رہے جیسے وہ کئی این جی او میں کام کر چکے ہوں اور راز ہائے درونِ خانہ سے کلی واقفیت رکھتے ہوں۔

آخر تمہیں یہ بیٹھے بٹھائے سوجھی کیا؟

بس یونہی فار چیلنج۔

تبدیلی تو آنے والی ہے تمہاری زندگی میں می جی تمہاری شادی کی تیاریوں میں سرتاپا غرق ہیں۔

لیکن میں ذرا مختلف تبدیلی چاہتی ہوں۔

مگر نوی جان برادر! یہ جو آج کل گلی گلی کونے کونے میں......این

.......جی اوز کام کر رہی ہیں ان میں اکثر ڈھوکا ہیں ابھی پچھلے دنوں

اخبار میں نہیں دیکھا تھا تم نے وہ محترمہ لڑکیوں........

آغا بھائی! میں کوئی ننھی بچی نہیں ہوں اور اس جگہ پہلے عادلہ کی کزن

کام کر رہی تھی۔ چونکہ عارضی تھی صرف ایک ماہ کے لئے پھر نئی لڑکی آ

جائے گی تو۔ میں نے انہیں سمجھایا۔

وہ کسی ماں کی طرح ہی فکرمند ہو جایا کرتے تھے اور اس میں کوئی

خصوصیت نہیں تھی سب کے لئے اس لئے محسن اور مراد نے انہیں مادر

ملکہ کا خطاب دے رکھا تھا۔

می جی کو منانے کے لئے تو مجھے بہت پاپڑ بیلنے پڑے۔

می جی اونلی ون منتھ پلیز۔

لڑکیوں کی شادی کی تیاری کوئی آسان تو نہیں ہوتی نہ نہ کرتے بھی چھ

سات ماہ تک لگ ہی جائیں گے اور تمہیں اب نوکری کی سوجھی ہے۔

اول تو اتنی تیاری کی ضرورت ہی نہیں۔ گھر کی ہی بات ہے۔

گھر کی بات کا یہ مطلب تو نہیں کہ اب ایسے ہی دو کپڑوں میں

رخصت کر دوں آپا جان کیا سوچیں گی کہ کوئی ارمان بھی پورا نہ ہوا

لوگ کیا کہیں گے لڑکا گھر کا تھا تو.......... مگر میں نے انہیں منا ہی

لیا۔ بابا جان تو ہمیشہ سے ہی میری سائیڈ لیا کرتے تھے۔

عروج فاطمہ شادی شدہ نہیں تھیں

چالیس سال کی عمر میں بھی بہت دلکش اور اٹریکٹو تھیں عجیب سی کشش

تھی ان کی شخصیت میں دھیمے دھیمے لہجے میں ٹھہر ٹھہر کر بولتیں۔

ہلکا سا مسکراتیں۔

اور کسی بھی آنے والے سے بہت نرمی اور عزت سے ملتیں۔ چاہے وہ

کسی بھی طبقہ کا ہوتا، میں چند ہی روز میں ان سے متاثر ہو گئی تھی وہ

بہت خلوص اور دیانت داری سے یہ این جی او چلا رہی تھیں کچھ مخیر

حضرات باقاعدہ ہر ماہ فنڈ میں بڑی رقوم جمع کروایا کرتے تھے۔

میرے آنے کے فوراً بعد ہی انہوں نے ایک غریب لڑکی کی شادی کروائی تھی میرے علاوہ تین لڑکیاں اور بھی تھیں۔

صادقہ حامد، عابدہ علی، اور نسیم پروین تینوں ہی بہت مخلص اور اچھے مزاج کی تھیں فارغ اوقات میں کئی بات انہوں نے ثنا کی تعریف کی تھی۔

میڈم کی طرح وہ بھی بہت نرم خو ہیں پہلے بہت آیا کرتی تھیں، اب کبھی کبھی آتی ہیں غالباً بہت مصروف ہوگئی ہیں۔

بلکہ شروع میں تو جب میں آئی تھی تو وہ روز ہی میڈم کے ساتھ آتی تھیں میرے بیٹے سے بہت پیار کرتی تھیں ان دنوں میرا بیٹا چھوٹا تھا۔

میں اسے ساتھ ہی لے آتی تھی پھر بعد میں میڈم نے مجھے یہ قریب ہی

گھر دے دیا۔ گھر کا کرایہ دفتر ادا کرتا ہے صادقہ حامد نے ایک دن بتایا وہ بیوہ تھیں ان کے شوہر جو کسی اخبار میں کام کرتے تھے انہیں غنڈوں نے ہلاک کر دیا تھا۔

میں جتنی ثنا مبین کو دیکھنے کے لئے بے چین تھی اتنی ہی دیر ہو رہی تھی اور ادھر ایک ماہ ختم ہونے والا تھا اور می جی کا مجھے پتا تھا کہ انہوں نے رو رو کر میرے رستے میں دریا کھڑے کر دیئے تھے اور ان دریاؤں میں میں ہمیشہ ہی ڈوب جاتی تھی سو جب میں مایوس ہو چکی تو کل شام میڈم عروج فاطمہ نے اچانک اس مایوسی کو یہ کہہ کر ختم کر دیا کہ کل شام ثنا کی برتھ ڈے ہے اور آپ سب انوائیٹ ہو۔

میرے اندر سکون کی لہریں سی اتر آئیں۔

ثنا میری بھتیجی ہے بہت عزیز ہے مجھے انہوں نے مجھے بتایا۔

اور ہاں آپ آئیں گی نا۔

ضرور۔

کنوینس پرابلم اگر ہوتو ہمارا ڈرائیور پک کرلے گا۔

انہوں نے کارڈ دیتے ہوئے پوچھا۔

نہیں۔ کہتے کہتے یک دم میں نے ہاں کہہ دیا میں نہیں چاہتی تھی کہ گھر میں سراج کو پتا چلے کہ میں ثنا کی طرف جارہی ہوں ڈرائیور چھٹی پر تھا اور لازمی مجھے سراج کے ساتھ جانا پڑتا پتا نہیں کیوں مجھے ڈرائیونگ سے خوف آتا تھا سراج کے بے حد ضد کرنے پر میں نے ڈرائیونگ سیکھنی شروع کی تھی لیکن ایک روز سامنے سے ٹرک آتا دیکھ کر میں نے اسٹیئرنگ سے ہاتھ ہٹا کر آنکھیں بند کر لی تھیں وہ تو سراج اگر گاڑی کو سنبھال نہ لیتے تو حادثہ یقینی تھا۔

اور پھر اس روز کے بعد سراج کے اصرار کے باوجود میں ڈرائیونگ کے لئے ان کے ساتھ نہ گئی۔

تو پھر ایڈریس بتا دیجئے گا۔ میرا ڈرائیور آپ کو نسیم عابدہ اور صادقہ کو

پک کر لے گا اور جب میں نے ایڈریس بتایا تو لمحہ بھر کو وہ چونکیں۔

عماد پلیس ماڈل ٹاؤن میں، آپ وہاں رہتی ہیں۔

جی۔

عماد الدولہ۔ انہوں نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔

میرے والد ہیں۔

یکا یک ان کی آنکھوں میں دلچسپ سی چمک لہرائی۔

اگر پرابلم ہو اتنی دور جانے کا تو میں ٹیکسی میں آجاؤں گی دراصل ہمارا

ڈرائیور چھٹی پر ہے اور سراج اکثر گھر پر نہیں ہوتے۔

میں روانی میں کہہ گئی حالانکہ سراج کا نام لینے کا میرا قطعی کوئی ارادہ

نہیں تھا۔

نو......نو ناٹ اینی پرابلم۔......فضل داد تمہیں پک کر لے گا۔

اسرار میں لپٹی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ وہ پلٹ گئی تھیں۔

صادقہ اور عابدہ، کیا گفٹ لیا جائے پر غور کرنے لگی تھیں اور میں عروج فاطمہ کی اسرار میں لپٹی مسکراہٹ پر توجہ نہ دے سکی بلکہ اس وقت بھی جب میڈم نے میرا تعارف کروایا۔

یہ نوا ہیں ثانو! عماد پیلس سے آئی ہیں کچھ دنوں سے ہمارا دفتر جوائن کیا ہے انہوں نے۔

تو یہ ثنا مبین ہے۔

میں نے میڈم عروج فاطمہ کی بات کا دھیان کیے بغیر سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا اور پھر دیکھتی ہی رہ گئی۔

بتائیے نا۔ اس نے آہستہ سے میرا ہاتھ ہلایا۔

کیسا ذکر سنا آپ نے میرا۔ اچھا یا برا۔؟

آنکھوں میں لہجے میں اشتیاق ہی اشتیاق تھا۔

ظاہر ہے اچھے لوگوں کا اچھا ہی ذکر ہوتا ہے۔

صاحبزادہ صاحب نے ذکر کیا تھا۔

اس کی آنکھوں میں یک دم جیسے کوندے سے لپکنے لگے تھے۔

نہیں ....نہیں تو .... یہاں دفتر میں سب نے آپ کے متعلق بتایا۔

اور انہوں نے۔

یک دم وہ بات ادھوری چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی، اس کی آنکھیں پھر سے ایک دم لو دینے لگی تھیں اور رخساروں پر یوں رنگ اتر رہے تھے جیسے رنگین انار چھوٹتا ہے اور رنگ ہی رنگ بکھر جاتے ہیں۔ میں نے رخ موڑ کر دیکھا سراج الدولہ بہادر سیاہ ڈنر سوٹ میں بڑی آن بان کے ساتھ ادھر ہی آ رہے تھے۔

وہ انار جو ثنا مبین کے رخساروں پر ایک دم چھوٹ گیا تھا، اس کی

چنگاریاں ساری کی ساری جیسے ان کے چہرے پر پڑ رہی تھیں آنکھوں سے روشنیاں لپک رہی تھیں۔

گداز ہونٹوں پر دلکش مسکراہٹ تھی۔

کتنے برسوں بعد میں نے ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھی تھی کشادہ پیشانی بھی جیسے دمک رہی تھی۔

ان کی شخصیت میں بھی بلا کا سحر تھا اور وہ یوں ارد گرد سے بے نیاز ادھر کھنچے آرہے تھے جیسے لوہا مقناطیس کی طرف کھنچتا ہے پھر جیسے وہ وہیں ٹھٹک کر رک گئے۔

ان کی نظریں مجھ سے ملیں اور ان میں حیرت سی بکھر گئی لب ذرا سا وا ہوئے اور بند ہو گئے پیشانی پر پسینے کے قطرے جھلملائے حالانکہ موسم بہت دلکش تھا اور برتھ ڈے پارٹی کا یہ انتظام باہر لان پر کیا گیا تھا۔

انہوں نے جیب سے رومال نکال کر ماتھے سے پسینہ پونچھا اور ایک

قدم آگے بڑھایا ان کی حالت سے محظوظ ہوتے ہوئے میں نے اپنا رخ یوں موڑ لیا جیسے انہیں جانتی تک نہ ہوں۔

آپ نے اتنی دیر کر دی صاحبزادہ صاحب۔

ثنا نے پیار بھرا شکوہ کیا۔

سوری کچھ لیٹ ہو گیا، کن اکھیوں سے سراج نے مجھے دیکھا۔

دیکھیں یہ آج ہمارے ہاں کون آیا ہے وہ یک دم میری طرف مڑی۔

آپ سے تو ہم کہہ کہہ کر ہار گئے تھے لیکن آپ ملواتے ہی نہیں تھے۔

آپ، آپ کو کیسے ملیں یہ؟

وہ سوال ثنا سے کر رہے تھے لیکن ان کی نگاہیں مجھ پر تھیں جیسے وہ مجھ سے ہی پوچھ رہے ہوں تو اتم یہاں کہاں؟ حیرت ہی حیرت تھی ان کی آنکھوں میں۔

دیکھ لیجئے لگن سچی ہو تو منزلیں خود بخود قدموں میں آ جاتی ہیں وہ چہکی۔

وہ مسکرائے لیکن میں جوان کی رگ رگ سے واقف تھی جان گئی تھی کہ وہ مسکراہٹ کتنی مشکل سے ان کے ہونٹوں پر آئی ہے پیشانی کی ایک رگ ابھر آئی تھی جب کبھی وہ الجھتے تھے پریشان یا ڈیپریس ہوتے تو ان کی پیشانی کی رگ ابھر آتی تھی سو اس وقت وہ اندر سے الجھ رہے تھے پریشان ہو رہے تھے کچھ دیر بعد ہی وہ معذرت کر کے اٹھ گئے اور کرنل مبین کے پاس جا بیٹھے لیکن ان کی اضطراری کیفیت میں دور بیٹھے بھی محسوس کر رہی تھی بار بار سگریٹ جلاتے اور پھر ادھ جلا سگریٹ ایش ٹرے میں پھینک دیتے اور میں ہی کیا ثنا نے بھی محسوس کر لیا تھا وہ بھی یک دم بے چین نظر آنے لگی تھی اور اس کے رخساروں کے رنگ پھیکے پڑ گئے تھے۔

صاحبزادہ صاحب آج کچھ پریشان لگ رہے ہیں ہے نا۔ اس کی سوالیہ نظریں میری طرف اٹھیں۔

ہاں شاید۔

اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو پلیز میں ذرا.........ابھی آتی ہوں۔

میں نے سر ہلا دیا تو وہ تیر کی طرح ادھر بڑھی جدھر سراج بیٹھے تھے وہ ابھی کم عمر تھی شاید پچھلے سال اس نے بی ایس سی کی تھی اسے اپنے جذبات کو چھپانے کا ہنر نہیں آتا تھا۔

اس کے جذبے اس کی آنکھوں سے اور اس کی ہر حرکت سے چھلک رہے تھے تو ابھی کچھ دیر پہلے میں نے جو کچھ محسوس کیا تھا وہ محض خوش فہمی تھی اور یہ کہ۔

دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی۔

میرے اندر کچھ ٹوٹ سا گیا۔

آنسو قطرہ قطرہ کر کے میرے دل پر گرنے لگے۔

میں کسی بھی دکھ پر کبھی نہیں روئی تھی ہاں آنسو قطرہ قطرہ کر کے میرے

دل پر گرتے رہتے تھے اور اندر ہی اندر مجھے کاٹتے رہتے۔

ثنا اور صاحبزادہ سراج۔ تم دیکھ رہی ہو نا ان کو۔

نسیم پروین جانے کب ثنا کی خالی سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی۔

وہ دونوں..........آئی مین شی از فل ان لوود ہم۔

شاید۔

کتنی خوبصورت جوڑی ہے ہے نا؟ اس نے پھر مجھے مخاطب کیا۔

ہوں۔

اگر ان دونوں کی شادی ہو جائے تو چاند سورج کی جوڑی ہو گی، اور ان کے بچے کتنے خوبصورت ہوں گے ہے نا۔

شاید۔

میرا خیال ہے ان کی شادی میں کوئی رکاوٹ نہیں ہو گی ثنا اکلوتی بیٹی ہے اور سب ہی اس کی بات مانتے ہیں خاص کر میڈم نسیم پروین کو

دوسروں پر بے لاگ تبصرہ کرنے اور بولنے کا بہت شوق تھا۔

اور یہ صاحبزادہ سراج غالباً کسی نواب فیملی سے تعلق رکھتے ہیں جبھی

نام کے ساتھ صاحبزادہ لگا ہے اور انہیں بھلا کیا رکاوٹ ہو سکتی ہے۔

سب سے بڑی رکاوٹ تو میں تھی۔

مجھے نسیم پروین کی بے خبری پر ہنسی آئی۔

ایسی زنجیر جسے کاٹنا جوئے شیر لانے سے کم ہرگز نہیں تھا۔

اور کاش! کاش اس روز میں می جی کے آنسوؤں کے دریاؤں میں نہ

ڈوبتی اور نکاح کے لئے راضی نہ ہوتی اپنی ضد پر اڑی رہتی تو شاید

زنجیریں اتنی گراں نہ ہوتیں۔ آسانی سے کٹ جاتیں مگر اب، اب

تو............ مجھے یکا یک سراج الدولہ پر ترس آنے لگا۔

جیسے بچپن میں آتا تھا۔

اور پھر میں سراج الدولہ کے لئے ان کے حقوق کے لئے تن کر کھڑی

ہو جاتی کسی کی پروانہ نہ کرتی تھی۔

نسیم پروین نہ جانے کیا کہہ رہی تھی، میں بالکل نہیں سن رہی تھی میرا تو سارا دھیان اس بات کی طرف تھا کہ زنجیریں کیسے کٹیں، کیسے سراج الدولہ بہادر کو آزاد کرایا جائے۔

میں نے سر اٹھا کر سامنے دیکھا جہاں وہ بیٹھے تھے۔

کرنل مبین کی کرسی کے پیچھے کھڑی اپنے ہاتھ ان کے کندھوں پر رکھے ان کی طرف ذرا سی جھکی ہوئی وہ ہولے ہولے کچھ کہہ رہی تھی کرنل مبین کی آنکھوں میں شفقت کا سمندر موجزن تھا اور ان کے قریب بیٹھے سراج الدولہ بے چینی سے پہلو بدل رہے تھے بات کرتے کرتے اچانک اس نے اپنی مقناطیسی آنکھیں ان کے چہرے پر گاڑ دیں اور کچھ کہا اور سراج الدولہ نے بے اختیار جھکا ہوا سر اٹھایا لیکن اس کی طرف دیکھنے کے بجائے ان کی نگاہیں بے اختیار میری طرف

اٹھ گئیں پھر وہ ہاتھوں کی اوٹ میں لائٹر رکھ کر سگریٹ جلانے لگے تو

میں نے یک دم اپنا چہرہ ادھر سے موڑ لیا اور اپنی کرسی کا رخ یوں کر لیا

کہ اب ڈائریکٹ میں ان کے سامنے نہیں تھی بلکہ تھوڑی سی اوٹ میں

ہو گئی تھی لیکن نسیم پروین سے باتیں کرتے کرتے بھی گاہے گاہے میں

ان کی طرف دیکھ لیتی تھی وہ ثنا مبین کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بھی

متوجہ نہیں تھے سارا وقت وہ مضطرب رہے۔

اور دکھ قطرہ قطرہ کر کے میرے اندر گرتا رہا۔

دکھ ہمیشہ مجھے بہادر بنا دیتا تھا۔

پہلے قطرہ قطرہ کر کے میرے دل پر گرتا رہتا اور پھر ایک دم اکٹھا ہو کر

مجھے اپنی ذات سے بے نیاز کر دیتا۔

مجھے مضبوط کر دیتا۔

سو جب میں ثنا مبین کو خدا حافظ کہہ رہی تھی تو یہ قطرہ قطرہ گرنے والا

دکھ مجھے اپنی ذات سے بے نیاز کر چکا تھا میں فیصلہ کر چکی تھی کہ ثنا مبین اور سراج الدولہ زنجیروں کو کاٹنا ہی ہوگا چاہے کتنی بھی بھاری کیوں نہ ہوں۔

آپ آئی کیسے تھیں نوا۔؟

میں ثنا کو خدا حافظ کہہ رہی تھی تو سراج بھی ادھر آ گئے تھے۔

پھپھو آنٹی نے ڈرائیور بھیجا ہے۔

میرے بجائے ثنا نے جواب دیا۔

اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور رخساروں پر گلال تھا سارے جذبے عیاں تھے، نگاہیں سراج الدولہ کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

وہ عروج فاطمہ کو پھپھو آنٹی کہہ کر بلاتی تھی اور اس کے منہ سے پھپھو آنٹی بہت اچھا لگتا تھا دراصل بہت ساری آنٹیوں میں سے اس نے

عروج فاطمہ کی یہ پہچان بنائی تھی۔

یوں تو میری اور آنٹیاں بھی ہیں تین میری خالائیں دو ممانیاں ہیں اس نے مجھے بتایا تھا۔

لیکن پھپھو آنٹی تو پھپھو آنٹی ہیں......میری جان ان میں اٹکی ہوئی ہے اور ان کی مجھ میں۔

میں نے ان کے چہرے کا جائزہ لیا آنکھوں میں بے بس سی کیفیت تھی اور پیشانی کی رگ ابھری ہوئی تھی جیسے شدید کشمکش میں ہوں۔

تو پھر چلیں۔انہوں نے مجھے مخاطب کیا۔

آپ..........آپ ابھی چلے جائیں گے، دلکش آنکھوں میں شکوہ لپکا۔

نواہیں نا۔می جی پریشان ہوں گی۔

لہجہ سراسر مجبوری کی شبنم میں بھیگا ہوا تھا اور نگاہیں کچھ سمجھا رہی تھیں

لیکن معصوم حسن سمجھنے سے قاصر تھا۔

پتا ہے نوا جی۔ وہ میری طرف مڑی۔ لاسٹ ایئر میری برتھ ڈے پر

صاحبزادہ صاحب بہت دیر رکے تھے اور ہم دیر تک باتیں کرتے

رہے تھے کارڈز کھیلتے رہے تھے اور لان میں آنکھ مچولی کھیلی تھی، سچ اتنا

مزہ آیا تھا ایک بار صاحبزادہ صاحب نے پھپھو آنٹی کو پکڑ لیا اور کہنے

لگے۔ ثانو.........ثانو میں نے آپ کو پکڑ لیا۔

وہ ہنس رہی تھی۔

اور سراج الدولہ بہادر پہلے سے زیادہ مضطرب ہو گئے تھے اور کن

اکھیوں سے مجھے دیکھ رہے تھے اور میں ایک دم سخی بن گئی۔

آپ اگر رکنا چاہیں تو رک جائیں میں فضل داد کے ساتھ چلی جاتی

ہوں یوں بھی وہ نسیم پروین اور صادقہ، عابدہ کو ڈراپ تو کرے گا ہی

نا۔

نہیں نہیں۔وہ بے اختیار بولے۔

اب ہم چلتے ہیں پلیز اجازت دیجئے۔

ان کا نوابی خون انہیں کیسے اجازت دیتا کہ ان کے ہوتے ہوئے ان کی ماموں زاد ڈرائیور کے ساتھ گھر جائے اور پھر صرف ماموں زاد ہی نہیں منکوحہ بھی۔

پھر.........پھر کب آئیں گے آپ۔

ثنا کے لہجے میں بے چینیاں چھپی تھیں۔

دیکھیے کب آنا ہوتا ہے۔

آپ ہم سے بھاگتے کیوں ہیں صاحبزادہ صاحب۔

نہیں بھاگنا کیسا میں تو خود کرنل صاحب کی صحبت کو بہت انجوائے کرتا ہوں بے چین رہتا ہوں ادھر آنے کو۔

میں جان بوجھ کر انہیں اکیلا چھوڑ کر عروج فاطمہ کی طرف بڑھ گئی جو دیگر مہمانوں کو رخصت کر رہی تھیں زیادہ گیدرنگ نہیں تھی عروج فاطمہ کے آفس واقارب زیادہ کراچی میں رہتے تھے سو عزیزوں میں سے ایک ہی ادھیڑ عمر خاتون تھیں جنہیں عروج فاطمہ نے اپنی کزن کہہ کر متعارف کروایا تھا۔

سراج نے ایک بار میری طرف دیکھا اور پھر مجھے میڈم سے مصروف گفتگو پا کر وہ ثنا کی طرف متوجہ ہو گئے لیکن زیادہ دیر رکے نہیں۔

میرے قریب آ کر انہوں نے عروج فاطمہ کو خدا حافظ کہا اور میں خاموشی سے ان کے پیچھے چلی آئی۔

بہت دیر تک وہ ہونٹ بھینچے خاموشی سے ڈرائیو کرتے رہے تھے میں ان کے اندر کے اضطراب اور بے چینی کو محسوس کر رہی تھی لیکن خاموشی سے ونڈ اسکرین سے باہر یوں دیکھ رہی تھی جیسے میں پہلی بار دیکھ رہی

ہوں۔

نوا.......!انہوں نے سامنے دیکھتے ہوئے آہستگی سے پوچھا۔

کب سے جانتی ہیں آپ انہیں؟

کچھ زیادہ دن نہیں ہوئے۔

کیسے جان پہچان ہوئی۔

میں نے میڈم عروج فاطمہ کے دفتر میں ملازمت کرلی ہے۔

کب......کب سے ملازمت کررہی ہیں آپ اور کیا ضرورت تھی بھلا آپ کو ملازمت کی۔

وہ اتنا حیران ہوئے کہ بے اختیار مجھے دیکھنے لگے۔

سامنے دیکھیے حادثہ نہ کروا دیجئے گا۔

مگر مجھے خبر ہی نہیں ہوئی۔

انہوں نے جیسے اپنے آپ سے کہا۔

خبر ہوتی بھی تو کیسے۔ آپ گھر پہ ہو کر بھی گھر میں نہیں ہوتے ورنہ می جی نے تو اچھا خاصا شور مچایا تھا۔

کتنا عرصہ ہو گیا ہے آپ کو جاب کرتے ہوئے؟ انٹرویو کا سلسلہ ہنوز جاری تھا۔

تقریباً دو تین ہفتے۔

ہوں۔

کیا یہ لوگ اچھے نہیں ہیں؟ میں نے لاپرواہی سے پوچھا۔

آں نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں کرنل صاحب بہت اچھے اور نیک انسان ہیں۔ اور آپ.......... آپ کیسے جانتے ہیں انہیں۔ میں نے انجان بن کر پوچھا۔

کچھ عرصہ پہلے ایک بزنس ڈنر میں ملاقات ہوئی تھی کرنل صاحب سے انہوں نے گھر پر مدعو کر لیا اور۔

سرحدوں کی حفاظت کرنے والوں کا بھلا بزنس ڈنر میں کیا کام۔

ریٹائرمنٹ لے چکے ہیں۔اب بزنس کرتے ہیں۔

ثنا مبین بہت حسین ہیں، بے حد، میں تو اسیر ہو گئی اور میڈم بھی بہت اچھی ہیں۔

میں نے ان کے چہرے کا جائزہ لیا۔

ویسے نوا! آپ کو جاب نہیں کرنا چاہیے تھی می جی تو بہت خفا ہوں گی۔

موضوع بدلنے میں تو انہیں کمال حاصل تھا۔

ہاں لیکن میں بور ہو گئی تھی جسٹ فار چینج چھوڑ دوں گی، می جی نے صرف ایک ماہ کی اجازت دی ہے۔

اچھا! کیا کچھ سنیں گی آپ۔ بہت اچھی غزل ہے۔

میں نے سر ہلا دیا۔

کتنے دنوں کے بعد آج میرے اور سراج کے درمیان اتنی گفتگو ہوئی

تھی ورنہ دو سال سے جب سے نکاح ہوا تھا میرے اوران کے

درمیان ایک تکلف سا آ گیا تھا جو سراج سے بہت بے تکلف تھی اور

ان سے عمر میں دو سال چھوٹا ہونے کے باوجود انہیں سراج الدولہ

بہادر کہہ کر بلاتی تھی اور می جی کی ڈانٹ کھاتی۔ان سے بات کرتے

جھجکنے لگی تھی اور وہ بھی جو پہلے بلا تکلف مجھے آواز دے لیا کرتے تھے

اب می جی اور تائی جی کو آواز دیتے یا پھر بی تاج کو جو ہماری پرانی

ملازمہ تھی انہوں نے کیسٹ اٹھا کر دیکھی کچھ دیر دیکھتے رہے پھر لگا

دی۔

اس نے خوشبو کی طرح میری پذیرائی کی

بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی

بات ہے رسوائی کی

پروین شاکر کی غزل مہدی حسن کی آواز میں کھوسی گئی۔
میں زیرلب دہرا رہی تھی اور دکھ قطرہ قطرہ میرے دل پر گر رہا تھا۔

☆☆☆

رات میں سو نہ سکی ثنا مبین وہ اس قدر حسین اور پیاری لڑکی اور سراج الدولہ بہادر کیا جوڑ ملایا تھا اللہ نے بقول نسیم پروین کے ایک چاند اور دوسرا سورج اور یہ کتنی عجیب بات تھی کہ میں اس کے لئے دل میں کسی طرح کا کوئی بغض محسوس نہیں کر رہی تھی الٹا مجھے اس پر پیار آ رہا تھا ترس آ رہا تھا۔

اس کی وہ والہانہ نظریں جو سراج کا طواف کر رہی تھیں۔
اس کی وہ معصوم باتیں۔
اور وہ وجود کے ہر حصے سے چھلکتی محبت کی لپک بے خبر لڑکی انجانے میں غلط سمت چل پڑی تھی۔

اور صاحبزادہ سراج منیر وہ تو بے خبر نہ تھے۔

راستوں کی دشواریوں کا بھی علم تھا انہیں اور پاؤں کی زنجیروں سے بھی واقف تھے۔

لیکن.........دوسری طرف کشش ہی اتنی زیادہ تھی کہ بڑے بڑے زاہد و عابد ہتھیار پھینک دیتے اور سراج الدولہ بے چارے تو ہمیشہ ہی ہتھیار پھینکتے آئے تھے احتجاج کرنے کی تو ان کی عادت ہی نہیں تھی پھر اس حسنِ قاتل کے سامنے کیسے کرتے مارے گئے بے چارے، اور میں، میں جو ہمیشہ ان کی ڈھال بنتی تھی.........اب.........

اب........

کسی قدر مشکل فیصلہ تھا صرف رسوائی کا ہی خوف نہ تھا بلکہ اپنے دل کے لٹنے اور برباد ہو جانے کا غم بھی تھا سو مجھے فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

لیکن یہ بہر حال طے تھا کہ زنجیریں تو کاٹنی ہی ہیں کیسے اور کس طرح کا تعین ابھی نہیں ہو پا رہا تھا۔

اس رات پہلی بار میرے تکیے نے میرے آنسوؤں کو جذب کیا اور میں نے پہلی بار ذرا سی بلند آواز میں اپنے آپ سے اعتراف کیا کہ میں نے سراج الدولہ بہادر سے محبت کی ہے، بہت بے حد، شاید اس وقت سے ہی میں ان سے محبت کرتی ہوں جب مجھے محبت کا شعور بھی نہیں تھا اور جب پہلی بار وہ پھپھو کے ساتھ اسٹیٹس سے آئے تھے ان کی عمر تب کوئی آٹھ سال ہو گی اور میری چھ سال۔

پھپھو شادی کے بعد سے ہی اسٹیٹس میں مقیم تھیں میں اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی تھی پھپھو اور ان کی آمد پر بے حد خوش تھی خاص طور پر سراج منیر کی آمد پر، اب خوب مزہ آئے گا میں بھی کرن باجی اور مونا کی طرح مزے مزے کے کھیل کھیلوں گی اور سراج منیر مجھے بہت

اچھا لگا تھا ائیر پورٹ پر ہی میں نے اس سے نام پوچھا تھا۔

صاحبزادہ سراج منیر۔ اس کا لہجہ فخریہ تھا۔

اینڈ یور نیم پلیز؟

میں نے ایک لمحہ سوچا۔

صاحبزادہ نواز یست۔

اس کا منہ حیرت سے ذرا سا کھلا۔

''یو آر اے گرل''

یس۔

دراصل مجھے اس کے بھاری بھرکم نام کے مقابلے میں اپنا نام خاصا

کمزور اور بے چارا سا لگا تھا۔

اور وہ مجھے اس لئے بھی اچھا لگا تھا کہ وہ فر فر انگلش بولتا تھا بالکل بابا

جان کی طرح۔

اگلے چند روز میں ہماری اچھی خاصی دوستی ہو گئی تھی۔

اور بابا جان اور پھپھو جی مجھے صاحبزادہ نواز یست کہہ کر چھیڑتے اور

محفوظ ہوتے رہے تھے۔

شروع شروع میں سراج میری ہر بات پر حیران رہ جاتا تھا۔

میرا کمرہ دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔

اس کی سجاوٹ دیکھ کر میری ڈھیروں گڑیوں اور طرح طرح کے

کھلونوں کو دیکھ کر وہ جب بھی کسی چیز کے لئے پسندیدگی کا اظہار کرتا

میں جھٹ کہہ دیتی۔

تم لے لو۔

وہ انکار کرتا۔نہیں نہیں یہ تمہاری چیز ہے۔

تو میں روٹھ جاتی ناراض ہو جاتی اور اسے دھمکی دیتی کہ اس نے نہ لی تو

میں اسے اٹھا کر ڈسٹ بن میں پھینک دوں گی یا توڑ دوں گی، سراج

ہی نہیں جو بھی مجھ سے جو مانگتا تھا میں دے دیتی تھی میری کتنی ہی گڑیوں کو بی بی تاج کی بیٹی لے جا چکی تھی کتنے کھلونے میں نے اپنے خالہ زاد بہن بھائیوں کی نذر کر دیئے تھے اور می. جی میری اس عادت سے بہت چڑتی تھیں۔

اسے میرے امی جان کو می. جی کہنے پر بھی حیرت ہوتی تھی۔

می........جی.........وہاٹ۔

وہ پہلی بار میرے منہ سے می. جی سن کر بہت حیران ہوا تھا۔

آپ اپنی ممی کو می. جی کیوں کہتی ہیں۔؟

پتا نہیں۔

مجھے خود پتا نہیں تھا لیکن بابا جان نے مجھے بتایا تھا کہ جب وہ مجھے بولنا سکھا رہے تھے اور میں نے ابھی غاں غاں ہی کرنا شروع کیا تھا اور بو جی بو جی کہتی تھی تو وہ کہتے کہو امی. جی اور میرے منہ سے می. جی نکلتا پھر

میری دیکھا دیکھا سب ہی انہیں می جی کہنے لگے تھے حتیٰ کہ آغا بھائی بھی جو ہم سب کزنز میں بڑے تھے انہیں می جی کہنے لگے تھے میں ان کی انگلی تھامے تفخر سے پھرا کرتی کبھی خالہ جانی کبھی ماموں جانی کی طرف سے سب کے گھر ساتھ ساتھ تھے اور میرا جب جی چاہتا ادھر چلی جاتی تھی سراج آ گیا تو میں سب سے سراج کا تعارف کراتی۔

یہ ہماری پھپھو کے بیٹے ہیں اور ہمارے بھائی ہیں۔

پھر میں یوں فخر سے کرن آپی اور مونا کی طرف دیکھتی جیسے یہ بہت بڑا اعزاز ہے کہ میں سراج سے اسمارٹ لڑکے کی بہن ہوں جو امریکہ سے آیا ہے اور فرفر انگریزی بولتا ہے خود میرے لئے انگریزی ابھی بہت مشکل تھی اور کرن آپی تو انگریزی میں فیل ہو جاتی تھیں اس لئے سب ہی سراج سے متاثر تھے اور اس پر برتری حاصل کرنے کے لئے اس سے الٹے سیدھے سوال کرتے۔

آپ کو نماز آتی ہے صاحبزادہ سراج؟

آپ بھلا دعائے قنوت تو سنائیں۔

اچھا چلیں۔ کلمہ ہی سنا دیں پہلا کلمہ۔

وہ ٹپٹا کر میری طرف دیکھتا تو میں فوراً میدان میں اتر آتی۔

کیوں سنائیے آپ کو کلمہ۔ سب کچھ آتا ہے اسے ہے نا۔

میں تائید کے لئے اس کی طرف دیکھتی۔

وہ سر ہلا دیتا۔

دعائے قنوت سناؤ۔

کرن باجی منمناتیں تو میں ناراض ہو کر اس کا ہاتھ پکڑ کر گھر لے آتی

اور پھر تاج بی بی کی منتیں کرتی۔

بی بی تاج۔ ہمیں اور صاحبزادہ سراج کو دعائے قنوت سیکھا دو۔

پھپھو تین ماہ رہیں اور ان تین ماہ میں میرے تعلقات سب کزنز سے

اچھے خاصے کشیدہ ہو چکے تھے سوائے آغا بھائی کے سب مجھے دھمکاتے
کہ سراج چلے گئے تو پھر وہ ہمارے ساتھ ہرگز نہیں کھیلیں گے۔

پھپھو کے جانے کے بعد میں بہت دن آزردہ رہی اور دل ہی دل
میں ان کی واپسی کی دعائیں مانگتی رہی۔

پھپھو کی شادی صاحبزادہ منیر الحسن سے ہوئی تھی جن کے والد گدی
نشین تھے لیکن صاحبزادہ منیر الحسن کو پیری فقیری سے قطعی کوئی دلچسپی نہ
تھی۔

لہٰذا وہ شادی کے بعد پھپھو کو ساتھ لے کر امریکہ چلے گئے تھے اور
وہاں سیٹل ہو گئے تھے، مزاج میں رنگینی تھی پھپھو احتجاج کرتیں تو غصہ
ہوتے ڈانٹتے ڈپٹتے سو سراج والد سے کافی دور تھا اس کے برعکس بابا
جان مجھے بہت پیار کرتے تھے۔

میں لاڈ سے ان کی گود میں بیٹھ جاتی۔

تیرے عشق میں

عشق اگر واقع عشق ہے تو وہ ہر حال میں قابل ستائش ہے وہ مجازی ہو یا حقیقی، سفلی ہو یا نوری، کسی عام شخص نے کیا ہو یا خاص شخص نے ۔ عشق کی ایک ایسی ہی داستان جس میں ایک لڑکی کو حقیقی عشق ہو گیا اور پھر وہ آگے بڑھتی چلی گئی ۔

ان سے فرمائش کرتی۔

وہ کتنے بھی تھکے ہوئے باہر سے آتے میں اگر باہر چلنے کو کہتی تو وہ فوراً تیار ہو جاتے اور سراج حیرت سے ہمیں دیکھتا اس کے پاپا نے اس طرح کبھی اس سے لاڈ نہیں کیا تھا۔

شادی کے سات سال بعد جب می جی اور بابا اولاد سے بالکل مایوس ہو چکے تھے اور بابا آغا بھائی کو اپنا بیٹی بنانے کا سوچ رہے تھے اور می جی ہر وقت بیمار رہنے لگی تھیں کہ میری آمد ہوئی می جی اور بابا گھنٹوں خدا کا شکر ادا کرتے نہ تھکتے تھے پھر می جی کا کیس بگڑ گیا، ڈاکٹر نے صاف کہہ دیا شاید ہم بچے کو نہ بچا سکیں، بچہ نہ بچ سکتا تو شاید می جی بھی نہ بچ سکیں۔

پلیز میری بیوی کو ابھی بچے کے متعلق کچھ نہ بتایئے گا، بابا نے ڈاکٹر کی منت کی تھی۔

میں دنیا میں آئی تو میری نبض بہت آہستہ تھی اور جسم نیلا ہو رہا تھا

ڈاکٹروں نے مجھے مصنوعی سانس دیا۔

بابا ساکت بیٹھے تھے کہ میری پہلی چیخ ان کے کانوں میں پڑی۔ ان

کے مردہ وجود میں جیسے زندگی کی لہر دوڑ گئی۔

بچہ زندہ ہے۔

ان کا ڈوبا ڈوبا دل تڑپنے لگا پھر نرس نے آ کر بتایا۔

مبارک ہو۔ بچی ہے ماں بیٹی دونوں خیریت سے ہیں۔

وہ سجدے میں گر گئے اور جب نرس نے مجھے ان کی گود میں دیا تو بے

اختیار ان کے منہ سے نکلا۔

نوائے زیست۔

اور یوں میرا نام نوائے زیست رکھ دیا گیا۔

بابا نے سینکڑوں بار یہ بات مجھے بتائی تھی۔

جب دوسری بار میں سراج سے ملی تو وہ بارہ سال کا تھا اور میں دس سال کی اور اسے میرے نام پر شدید اعتراض تھا۔

یہ کیا نام ہے بھلا؟

اتنا اچھا ہے۔ پھر بابا جان نے رکھا ہے اور مجھے بہت پسند ہے بس۔

اب کی بار وہ صرف ایک ہفتہ ٹھہر کر اپنی ددھیال چلا گیا تھا کیونکہ چند دن بعد اس کے والد بھی آنے والے تھے جنہیں ایک ماہ رہنا تھا اور پھپھو نے وعدہ کیا تھا کہ ان کے جانے کے بعد ایک ماہ ہمارے پاس رہیں گی اور پھر واپسی ہو گی لیکن ہوا یوں کہ صاحبزادہ منیر خود تو نہ آئے بلکہ ان کی ڈیڈ باڈی آ گئی ان کی کار کو حادثہ پیش آ گیا تھا اور وہ جانبر نہ ہو سکے تھے۔

انہیں وطن چھوڑے ہوئے بارہ برس ہو گئے تھے اور اب بارہ برس بعد وہ وطن آ رہے تھے پھپھو کو تو سکتہ ہو گیا تھا اور سراج حیران اور سہما ہوا

تھا۔

جب ہم اس کے ددھیال خیر پور سیداں سے آ رہے تھے تو میں نے چپکے سے سراج سے کہا تھا کہ وہ روئے نہیں اور ہمارے گھر آ جائے .... پھر میں اپنے بابا جان اس کو دے دوں گی۔

آدھے بابا جان ہمارے۔ آدھے آپ کے۔ یوں بھی آپ کے پاپا تو آپ سے بہت پیار نہیں کرتے تھے اور ہمارے بابا جان بہت اچھے ہیں۔

وہ چپ چاپ مجھے دیکھتا رہا تھا اور کہا کچھ نہیں تھا۔

پھپھو بابا جان کے گلے لگی رو رہی تھی۔

گھر آ کر میں نے کئی بار ضد کی کہ پھپھو جی کو اور سراج کو لے آئیں لیکن بابا جان نے مجھے سمجھایا کہ وہ فی الحال نہیں آ سکتیں چند ماہ بعد وہ انہیں لائیں گے۔

اس وقت مجھے سمجھ نہیں تھی کہ وہ کیوں نہیں آسکتیں اور عدت کیا ہوتی

ہے مجھے تو یہ شوق تھا کہ سراج آئے تو میں اسے اپنی گیمز دکھاؤں

اپنے نئے کھلونے دکھاؤں مجھے گاڑیوں اور جہازوں سے کوئی دلچسپی

نہیں تھی لیکن میں نے کئی گاڑیاں اور جہاز خرید رکھے تھے ریموٹ

والے بیٹری والے تاکہ جب سراج آئے گا تو اسے دوں گی۔

مگر جب چند ماہ بعد بابا جان پھپھو کو لینے گئے تو ان کے سسرال والوں

نے انہیں بھیجنے سے انکار کر دیا۔

ہمارے ہاں بیوہ بہو گھر سے باہر نہیں نکلتی نہ ہی وہ دوسرا نکاح کر سکتی

ہے۔

بابا جان نے چپکے چپکے می جی کو بتایا۔

پھپھو کی شادی خاندان سے باہر ہوئی تھی ہم سادات میں سے تھے اور

میرے بابا جان کا تعلق نواب فیملی سے تھا میرے دادا نواب حیات

الدولہ حیدرآباد دکن کے تھے برصغیر کی تقسیم کے بعد وہ پاکستان میں

منتقل ہو گئے میرے دادا جان نے آئی جی کی پوسٹ سے ریٹائرمنٹ

لی تھی لیکن پاپا جان نے بزنس کو ترجیح دی تھی خاندان کے لوگ تقسیم

کے بعد ادھر اُدھر بکھر گئے تھے اس لئے میری پھپھو کی شادی خاندان

سے باہر ہوئی اگرچہ وہ سادات میں سے ہی تھے اور گدی نشین تھے

لیکن ہمارے اور ان کے گھر کے ماحول میں بہت فرق تھا۔

ہمارے پاس روایات کے ساتھ آزادی تھی۔

لیکن ادھر گھٹن تھی سختی تھی، پابندیاں تھیں پھپھو اور سراج کے لئے وہاں

زندگی مشکل ہو گئی تھی اور مشکل ہی نہیں تکلیف دہ بھی۔

اٹھتے بیٹھتے انہیں طعنے، دیئے جاتے۔

کہ ان کی وجہ سے منیر الحسن پاکستان نہیں آئے تھے بارہ سال سے

انہوں نے انہیں وہاں روک رکھا تھا جیتے جی بھائیوں سے اور بہنوں

سے بھائی ماں باپ سے بیٹا جدا کر دیا تھا۔

حالانکہ یہ سراسر الزام تھا جب پہلی بار پھپھو آئی تھی تو میں نے کئی بار می جی کے پاس بیٹھ کر انہیں آنسو بہاتے دیکھا تھا وہ وہاں خوش نہیں تھیں۔

وہ پاکستان آنا چاہتی تھی یہاں رہنا چاہتی تھیں لیکن صاحبزادہ منیر الحسن کو پاکستان میں رہنا پسند نہیں تھا۔........

☆☆☆

بابا جان پھپھو سے ملنے جاتے تو میں بھی ضد کر کے چل پڑتی، پھپھو بابا جان کے پاس بیٹھ کر آنسو بہاتیں سراج خاموش بیٹھا رہتا۔ وہ بہت سنجیدہ اور بہت دبلا پتلا ہو گیا تھا کبھی کبھی بابا جان سراج سے کہتے۔

بیٹا نوا کو باہر لے جاؤ۔

سراج خاموشی سے اٹھ کھڑا ہوتا شاید بابا جان کو پھپھو سے کوئی بات

کرنا ہوتی تھی۔

باہر سراج کے کزنز اسے گھیر لیتے۔

وہ سب سراج سے نفرت کرتے تھے حقارت بھرا سلوک کرتے اسے

انگریز اور پتلو نچیا کہتے" وہ جین پہنا کرتے تھے۔"

اور بھی جانے کیا کیا کہتے، اس کا مذاق اڑاتے۔

پہلی بار جب میں نے یہ سب دیکھا تو میں نے ان کو خوب سنائی تھیں

خوب خوب نام دھرے تھے اور ان پر ہاتھ چلائے تھے ان کا ایک

کزن جو میرا ہم عمر ہی تھا اس نے سراج کو دھکا دیا تو میں نے اس کے

بال نوچ لیے اور اس کی کلائی پر اتنے زور سے کاٹا کے خون نکل آیا۔

خبردار اگر آج کے بعد صاحبزادہ سراج سے بدتمیزی کی تم نے تو، وہ

سب ہی بھاگ گئے تھے اور سراج کی آنکھیں گیلی گیلی سی ہو گئی تھیں۔

آپ بہت اچھی ہو نوا؟

اور اس روز میں نے بابا جان سے سراج کے کزنز کی بہت بہت
شکایتیں کی تھیں اور ان سے کہا تھا کہ وہ اسے گھر لے آئیں اور بابا
جان خاموش سنتے رہے تھے پھپھو جان دو سال خیر پور سیداں رہی
تھیں اور ان دو سالوں میں جتنی بار میں وہاں گئی تھی میں نے سراج
کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا خوب بدلہ لیا اس کے کزنز کو
ایک کی دس سنائیں سراج تو بالکل خاموش رہتا وہ جو جی چاہتا کہتے
رہتے وہ ایک لفظ بھی نہ کہتا تھا دو سال بعد پھپھو اچانک بیمار ہو گئیں
بہت شدید ذہنی طور پر بھی وہ نارمل نہیں رہی تھیں گھر میں ان کی حیثیت
نوکرانیوں جیسی تھی سارا دن کام کرتیں اس پر ہزاروں صلواتیں سنائی
جاتی تھیں گھر میں وہ بہت لاڈلی تھیں تین بھائیوں کی اکلوتی بہن بابا
جان کے علاوہ تاؤ جی اور چچا جان بھی انہیں بے حد چاہتے تھے پھر
شادی کے بعد صرف چند دن ہی سسرال رہنا پڑا صاحبزادہ منیر الحسن

انہیں باہر لے گئے تھے وہ سسرال والوں کا یہ رویہ برداشت نہ کر سکی تھیں اور بیمار پڑ گئیں چچا جان ان سے ملنے گئے تو ان کی حالت دیکھ کر حیران رہ گئے۔

ملگجے کپڑے ہڈیوں کا ڈھانچا، پیلی زرد رنگت پتا چلا مسلسل بخار اور کھانسی رہتی ہے اور پر وہ ذہنی طور پر نارمل نہیں لگتی تھیں چچا جان کو دیکھا تو پہلے ہنسنے لگیں پھر رو پڑیں.......چچا جان تو انہیں دیکھ کر دھک سے رہ گئے تھے۔

چلو اپنا سامان اٹھاؤ اور چلو میرے ساتھ۔وہ بے بسی سے انہیں دیکھنے لگیں۔

اس کی ڈولی اس گھر میں آئی ہے اب جنازہ ہی جائے گا۔ان کے بڑے جیٹھ نے حتمی بات کی۔

میں اپنی بہن کو یہاں مرنے کے لئے نہیں چھوڑ سکتا جوان خون تھا، الجھ

پڑے ٹھیک ہے تو پھر اپنی بہن کو لے جاؤ ہمارا خون یہاں ہی رہے گا۔

سراج کے بغیر میں نہیں جاؤں گی۔

پھپھو نے انکار کر دیا۔

سراج بھی ہمارے ساتھ جائے گا، ماں سے زیادہ بچے کا کوئی حقدار نہیں میں عدالت میں کیس کروں گی۔

خود منجھے ہوئے وکیل تھے سارے داؤ پیچ جانتے تھے پھپھو کے جیٹھ اور دیور ہار گئے۔

ٹھیک ہے جاؤ، ہمارے پاس عدالتوں میں بھاگنے کا وقت نہیں ہے لیکن لکھ کر دو کہ منیر کے حصے میں سراج کا کوئی حق نہیں ہو گا۔

لعنت ہے ایسی جائیداد پر۔

چچا جان نے پھپھو سے کہا کہ فوراً دستبرداری لکھ دیں پھپھو نے خاموشی سے دستخط کر دیئے۔

اور یوں پھپھو اور سراج ہمارے گھر آ گئے۔

ان دنوں ہم سب اکٹھے ہی گھر میں رہا کرتے تھے۔

چچا جان تایا جان اور ہم۔

مہینوں پھپھو کا علاج ہوتا رہا تب کہیں جا کر وہ قدرے بہتر ہوئیں۔

چچی جان اور تائی جان کو پھپھو کی آمد پسند نہ آئی تھی وہی ازلی نند بھاوج کا جلاپا۔

ایک می جی تھیں جو پھپھو کو بہت خیال رکھتی تھیں سراج کی فکر کرتیں لیکن پھپھو کو تو چپ سی لگ گئی تھی جسمانی بیماری تو دور ہو گئی تھی لیکن ذہنی طور پر وہ بالکل ڈل سی ہو گئی تھیں پتا نہیں کتنی اذیتیں اٹھائی تھیں انہوں نے وہاں کوئی جو مرضی کہتا وہ چپ دیکھتی رہتی۔

کبھی تائی جی وغیرہ کے پورشن کی طرف نکل جاتیں تو وہ ناک بھوں چڑھاتیں اور یوں سمٹ جاتیں جیسے کوئی جراثیم انہیں چمٹ جائیں

گے میں نے خود کئی بار انہیں کہتے سنا تھا۔

ٹی بی ہے۔ ہائے خدانخواستہ ہمیں جراثیم نہ لگ جائیں بلکہ چچی بی تو سب کے سامنے ہی چچا جان کو مشورہ دیتی تھیں کہ انہیں ہاسپٹل میں داخل کروادیں میرے چچازاد اور تایازاد اور بہن بھائیوں کا رویہ بھی سراج سے کچھ اچھا نہ تھا وہ اس پر یوں حکم چلاتے جیسے وہ ملازم ہوں اور وہ بھی یوں حکم بجالاتا جیسے ازل سے یہی کام کرتا آرہا ہو۔

میں اس پر چڑتی۔

آپ کسی کے ملازم نہیں ہیں سمجھے آپ سراج الدولہ ہیں۔

انہی دنوں میں نے اپنی تاریخ کی کتاب میں سراج الدولہ کے متعلق پڑھا تھا۔

اور یوں وہ سراج سے سراج الدولہ ہو گئے آغا بھائی یعنی خالہ جانی کے گھر میں سب ہی انہیں سراج الدولہ کہہ کر بلانے لگے آغا بھائی تو

ہمیشہ انہیں سراج الدولہ بہادر کہہ کر بلایا کرتے تھے۔

نوا نے صاحبزادہ سراج کو سراج الدولہ کا لقب دے کر سچ مچ اپنالیا

ہے یعنی عماد الدولہ اور سراج الدولہ۔

کرن باجی نے تبصرہ کیا تھا اور اس روز میں سارا دن اتراتی پھر رہی

تھی۔

پھر یوں ہوا کہ چچی بی اور چچا جان میں کھٹ پٹ ہونے لگی، اچانک

ہی چچی بی کو اس کمرے کی شدید ضرورت پڑ گئی جو صاحبزادہ سراج اور

پھپھو جی کے پاس تھا۔

پہلے بیڈ روم کے اندر اور پھر بیڈ روم کے باہر تو تو میں میں ہونے لگی۔

آخر عماد بھائی اور بھائی صاحب کی پوزیشن میں زہرہ کیوں نہیں چلی

جاتیں بھائی صاحب کے صرف دو بچے ہیں ہمارے بچے بھی زیادہ

ہیں اور سب بچوں کو الگ کمروں کی ضرورت بھی ہے بڑے ہو رہے

ہیں اب اور عماد بھائی کی تو جھونگے میں صرف ایک ہی بیٹی ہے آخر وہ کیوں نہیں رکھ لیتے زہرہ کو ہمیشہ کے لئے اپنے پاس۔

وہ ٹی وی لاؤنج ڈائیننگ ہال پر جگہ پر بے تکلف بولنے لگی تھیں، تب ایک روز سراج الدولہ بہادر بابا جان کے پاس چلے آئے۔

ماموں جان! ہمیں ایک چھوٹا سا مکان کرائے پر لے دیجئے۔

کیوں؟ بابا جان نے پوچھا تو وہ ہڑبڑا گئے ادھر اُدھر دیکھنے لگے۔

ان دنوں وہ میٹرک کا امتحان دے چکے تھے لیکن پھر بھی بات کرتے ہوئے گھبراتے تھے میں جو پاس ہی بیٹھی تھی ایک دم بول پڑی۔

چچی جان نے کچھ کہا ہے۔

کیا.........رابعہ نے کچھ کہا ہے۔

تو اور کیا؟

میں چمک کر بولی۔

ہر روز چچا جان اور پھپھو جی سے لڑائی کرتی ہیں کہ وہ کیوں آ گئی ہیں۔

میں نے خوب نمک مرچ لگا کر تفصیل بتائی اور سراج الدولہ بہادر ممنون نظروں سے مجھے دیکھتے رہے اور پھر اسی روز بابا جان پھپھو جی کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پورشن میں لے آئے۔

میری بہن ساری زندگی میرے ساتھ رہے گی اور میرا گھر اتنا ہی اس کا ہے جتنا کہ میرا اور کسی کی مجال نہیں جو زہرہ کی طرف ٹیڑھی نگاہ کر کے دیکھے۔

بابا جان کو غصہ بہت کم آتا تھا لیکن جب آتا تھا تو بہت شدت سے آتا اور می جی جو بڑی بارعب تھیں وہ بھی بابا جان کے غصے سے ڈر جاتی تھیں۔

سراج اور پھپھو جی کے الگ الگ بیڈروم سیٹ ہو گئے یہی نہیں رات کھانے کے بعد جب تاؤ جی، چچا جان اور بابا جان اکٹھے بیٹھے تو بابا

جان نے اعلان کر دیا۔

آج سے سراج میرا بیٹا ہے اور میری جائیداد میں نوا کے ساتھ برابر کا

وارث۔

چچی جان کا منہ بن گیا تائی جی کو بھی بابا جان کا فیصلہ کچھ پسند نہیں آیا تھا

پھپھو جی کی آنکھیں برسنے لگیں تھیں لیکن ان کا چہرہ بہت پر سکون لگ

رہا تھا جیسے ہر فکر، ہر پریشانی سے آزاد ہو گئی ہوں۔

عموماً رات کے کھانے کے بعد سب ہال کے کمرے میں اکٹھے ہو

جاتے تھے دادا جان کے زمانے سے ہی یہ دستور چلا آ رہا تھا سب

اپنے اپنے پورشنوں سے نکل آتے تھے یوں مل بیٹھتے تھے سب اور اس

رات بھی سب اکٹھے بیٹھے تھے چچی جان اور تائی جان تو فوراً ہی اٹھ کر

چلی گئی تھیں بابا جان کے فیصلے کو رد کرنے کی کسی میں جرائت نہ تھی بابا

جان کو شروع سے ہی اس بات کا رنج تھا کہ چچا جان نے جذباتیت

انہی دنوں پتا چلا کہ صاحبزادہ سراج کے دادا نے مرنے سے پہلے اپنے پوتے سراج کے نام کچھ جائیداد لکھ دی ہے۔ حیدر آباد میں کچھ زمین اور کراچی میں ایک کوٹھی انہی دنوں میں نامعلوم افراد نے سراج پر گولی چلا دی اتفاق سے میں اس وقت سراج کے ساتھ تھی میں نے عین وقت پر سراج کو پیچھے کر دیا اور گولی میرے بازو کو چھوتی ہوئی گزر گئی تب بابا جان نے اچانک لاہور جانے کا فیصلہ کر لیا اور ہم کراچی سے لاہور منتقل ہو گئے کچھ عرصہ کرائے کے گھر میں رہنے کے بعد بہت جلد عماد پیلس میں منتقل ہو گئے۔

یہاں سکون تھا نہ تائی جی اور چچی بی کے طنز تھے نہ کسی کا کوئی حکم تھا۔ سراج اگرچہ ہمارے پورشن میں رہنے لگے تھے پھر بھی جب بھی موقع ملتا چچی بی اور تائی جی یا ان کے بچے سراج پر حکم چلانے سے باز نہ آتے تھے۔

سو یہاں آکر سراج بھی خوش تھے اور پھپھو جی بھی می جی کو البتہ اپنے میکے سے دور ہو جانے کا دکھ تھا مجھے بھی خالہ زاد اور ماموں زاد بہن بھائی یاد آتے تھے۔

پھر جلد ہی آغا بھائی کو لاہور میں جاب مل گئی اور وہ ہمارے ہاں رہنے کے لئے آ گئے می جی خوش ہو گئیں۔

اور پھر اپنی شادی تک آغا بھائی ہمارے ساتھ ہی رہے۔ شادی کے بعد وہ شادمان چلے گئے سراج اعلیٰ تعلیم کے لئے باہر جانا چاہتے تھے بابا جان کی خواہش تھی کہ وہ ان کا ہاتھ بٹائیں لیکن میں نے بابا جان کو رضامند کر ہی لیا۔ بابا جان میری کوئی بات نہیں ٹالتے تھے۔

لیکن می جی نے شرط لگا دی کہ سراج الدولہ بہادر کو باہر جانے سے پہلے نکاح کرنا ہوگا، آغا بھائی نے کہا نکاح کوئی ایسا بندھن نہیں ہوتا کہ ٹوٹ نہ سکے توڑنے والے توڑ دیتے ہیں لہٰذا سراج الدولہ کو بغیر

نکاح کے جانے کی اجازت دی جائے۔

دیکھو نانو!! انہوں نے مجھے سمجھایا۔

مرد کا کچھ پتا نہیں ہوتا، کب کس وقت کہاں دل ہار جائے اور پھر وہاں جہاں اتنی ترغیبات ہوں کیا خبر اپنے سراج الدولہ بہادر بھی پٹڑی سے پھسل جائیں اور تم عمر بھر کے لئے نہیں نوابی بی نکاح نہیں ہونا چاہیے اور مجھے آغا بھائی کی ہر بات سے اتفاق تھا۔ مزہ تو جب ہے کہ کسی ظاہری بندھن کے نہ ہوتے ہوئے بھی آدمی خود کو پابند سمجھے پتا نہیں کیوں مجھے ہمیشہ یہ گمان رہا کہ جتنی شدت سے میں صاحبزادہ سراج کو چاہتی ہوں اس سے کہیں زیادہ شدتوں سے وہ مجھے چاہتے ہیں بس یہ ہے کہ وہ کم گو ہیں اور اظہار کرنا نہیں جانتے اور اظہار کے لفظ بھی تو کبھی میں نے بھی استعمال نہیں کیے تھے لیکن یہ ایک ایسی بات تھی جسے میں می جی سے نہ منوا سکی۔ انہوں نے رو رو کر میرے راستے

میں دریا کھڑے کر دیئے تب میں نے سراج سے کہا۔

آپ ہی سمجھائیں نامی جی کو۔

میں۔وہ گھبرا گئے۔

میں بھلا کیا کہہ سکتا ہوں جو ماموں جان اور می جی بہتر سمجھیں۔

لیکن آپ کی اپنی بھی تو کوئی رائے ہو گی۔

نہیں میری تو کوئی رائے نہیں ہے

کمال ہے زندگی کے اتنے بڑے معاملے میں آپ کی کوئی رائے نہیں ہے ممکن ہے وہاں آپ کو کوئی اور اچھا لگنے لگے دو سال کا عرصہ کم تو نہیں ہوتا۔

ہاں کم تو نہیں ہوتا لیکن اس کے امکانات نہیں ہیں۔

وہ رخ موڑے اپنی کتابیں درست کرتے رہے۔

کیوں؟

جکڑا ہوا جو ہوں۔

بغیر پیچھے مڑ کر دیکھے آہستگی سے کہا گیا۔

میرے اندر ایک دم جیسے پھوار اپڑنے لگی ٹھنڈی۔ جسم و جان کو سکون دیتی ہوئی لمحہ بھر کو میں چپ سی ہو گئی۔

ہاں اگر آپ کو........آپ کہیں اور۔

وہ کتاب ہاتھ میں اٹھائے یکدم مڑے۔

نہیں نہیں۔ میں تو آپ کے علاوہ کسی کی ہمراہی کا سوچ ہی نہیں سکتی۔

پتا نہیں کیسے اچانک میری زبان سے نکل گیا اور پھر جیسے رخساروں پر آگ دہکنے لگی پلکیں بوجھل ہو کر جھک گئیں۔

اور صاحبزادہ سراج کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی اور آنکھوں میں پہلی بار میں نے جگنو دمکتے دیکھے اور پہلی بار اقرار کے لفظوں نے مجھے معتبر کیا۔

آپ بہت دلکش اور بہت اچھی ہیں نوا۔ وہ ایک قدم آگے بڑھ آئے۔

اور آپ سے کون بھاگ سکتا ہے زنجیریں ڈالیں یا نہ ڈالیں۔ می جی اور ممی کو اپنی خوشی کرنے دیں آپ کیوں الجھتی ہیں۔

اور میں نے می جی سے ضد کرنا چھوڑ دی۔

دو سال سراج کے بغیر کتنے بے رونق گزرے۔

میں بولائی بولائی پھرتی۔

کبھی آغا صاحب کی طرف چلی جاتی تو آغا بھائی اور عنبرین بھابھی مجھے چھیڑتے سراج کے نام سے تو اچھا لگتا دل میں گدگدی سی ہوتی دن رات انہیں ہی سوچتی رہتی۔

☆☆☆

اور دو سال بعد جب سراج آئے تو ان کی شخصیت بہت پر سحر ہو گئی تھی

جسم قدرے بھر گیا تھا۔

اعتماد پیدا ہو گیا تھا بہت اعتماد اور یقین سے بات کرتے، لہجے میں

شوخی بھی آ گئی تھی کبھی کبھی کوئی شوخ جملہ مجھے بھی کہہ دیتے تو میں

گھنٹوں اسے سوچ سوچ کر محظوظ ہوتی رہتی۔ بامعنی گفتگو کرتے۔

بابا جان می جی اور پھپھو سب ہی انہیں دیکھ کر مل کر بہت خوش تھے۔

یار نوی! کبھی کبھی آغا بھائی بے تکلفی سے کہتے۔

یہ سراج الدولہ بہادر کی شخصیت بہت خطرناک ہو گئی ہے نظر بد کی دعا

پڑھتی رہا کرو راہ چلتے لڑکیاں مڑ کر انہیں دیکھتی ہیں اور ان کی آنکھوں

میں واضح ستائش ہوتی ہے۔

لیکن میں کتنی مطمئن تھی جو بقول آغا بھائی کے اتنی ترغیبات سے بچ کر

آ گیا تھا۔ اسے بھلا یہاں کی لڑکیاں کیا اسیر کر سکتی تھی۔

لیکن اس چھوٹی سی بے حد حسین اور معصوم لڑکی نے انہیں اسیر کر ہی لیا تھا چند ماہ بعد ہی وہ کھوئے کھوئے سے رہنے لگے تھے۔

گھنٹوں ایک ہی جگہ بیٹھے نہ جانے کیا سوچتے رہتے بے تحاشا سگریٹ پینے لگے تھے حالانکہ پہلے کبھی سگریٹ نہیں پیتے تھے۔

راتوں کو دیر تک جاگتے۔

کئی بار میں نے آدھی رات کو انہیں باہر لان میں ٹہلتے دیکھا تھا۔

کوئی پریشانی ہے سراج!

میں نے کئی بار پوچھا۔

نوٹ ایٹ آل۔

پھر یہ سگریٹ نوشی، راتوں کو جاگنا، کھوئے کھوئے رہنا پلیز اگر کوئی بات ہے تو میرے ساتھ شیئر کریں میں مدد کرنے کی کوشش کروں گی۔

جانتا ہوں نوا! لیکن کوئی بات بھی ہو وہ ٹال جاتے۔

سراج الدولہ بہادر کی شادی کر دی جائے آئی مین نوابیگم کی رخصتی ہو جائے آغا بھائی نے رائے دی۔

پھر خود ہی یہ کھوئے کھوئے رہنا راتوں کو جاگنا موقوف ہو جائے گا۔

نہ ابھی نہیں۔ می جی نے فیصلہ سنا دیا۔

بچہ ابھی پڑھائی سے تھک کر فارغ ہوئے ہیں سال ڈیڑھ سال آرام کر لیں۔

ابھی سے گھرداری میں نہیں ڈالوں گی۔

بچی نے کون سا پرائے گھر جانا ہے۔

آغا بھائی نے بحث کی۔

نہ بھئی پھر بھی نہیں۔

بابا جان کی رائے بھی یہی تھی کہ فی الحال سراج بزنس میں ایڈجسٹ ہو جائیں شادی سال ڈیڑھ سال بعد ہی مناسب رہے گی۔

دال میں کچھ کچھ کالا ہے نوابی بی کہیں تمہارے سراج الدولہ بہادر انگلینڈ میں تو کسی کو تڑپتے نہیں چھوڑ آئے جس کی یادیں بے قرار کرتی ہیں۔

آغا بھائی کو ان کے متعلق سخت تشویش تھی۔

لیکن میں مطمئن تھی مطمئن اور پر یقین وہ جاتے سمے کا مبہم سا اقرار دل و جان کو یقین کے انوکھے بندھن میں باندھ گیا تھا لیکن پھر اس یقین پر پہلی ضرب چھ ماہ پہلے عادلہ یوسف نے لگائی تھی۔

صاحبزادہ سراج ثنا مبین میں انٹرسٹڈ ہیں۔ ثنا مبین انتہائی خوبصورت ہیں سنا ہے ان کے والد کے کئی کیپٹن میجر اس پر فریفتہ تھے وغیرہ وغیرہ۔

پھر اور لوگ بھی بتانے لگے۔

سراج الدولہ اور ثنا مبین۔

ثنا مبین اور سراج الدولہ۔

میرا یقین تار تار ہوتا رہا لیکن میں نے سراج الدولہ سے کچھ نہ پوچھا

میں اس دن کی منتظر تھی جب وہ خود ہی مجھ سے ثنا مبین کے متعلق بات

کریں گے آغا بھائی مجھے اکساتے۔

تم اس سے پوچھو باز پرس کرو۔حق ہے تمہارا۔

لیکن میں نے سراج الدولہ سے کچھ نہ کہا، ہاں ان کا لمحہ لمحہ میرے

سامنے تھا ان کا اضطراب ان کی بے چینی راتوں کو جاگنا سب ان

کہانیوں کی تائید کرر ہے تھے ان چھ ماہ میں بہت اذیت اٹھائی میں

نے میں بھی راتوں کو جاگی اور اتنی ہی مضطرب اتنی ہی بے چین رہی

جتنے کہ وہ تھے پھر اچانک ہی می جی نے پندرہ دن پہلے شادی کا اعلان

کر دیا میں منتظر تھی کہ اب تو ضرور وہ کچھ بولیں گے۔

لیکن ادھر ہنوز خاموشی تھی۔

تب اچانک ہی ثنا مبین سے ملنے کی سبیل نکل آئی اور میں نے می جی کے منع کرنے کے باوجود جاب کرلی۔

صرف ثنا مبین سے ملنے اور اسے دیکھنے کی خاطر اور آج جب میں نے اسے دیکھ لیا تھا تو صارا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔

وہ تو تھی ہی اس قابل کے اسے چاہا جائے۔

پھر بے چارے صاحبزادہ سراج کس گنتی میں تھے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ اسے دیکھتے اور اسیر نہ ہوتے ہاں خوش قسمتی یہ تھی کہ وہ ہی نہیں وہ حسین دلربا بھی ان کی اسیر تھی جانے کتنے اس کی چوکھٹ پر سجدہ کرنے کو بے تاب ہوں گے لیکن یہ خوش نصیبی سراج الدولہ کے حصے میں آئی تھی اور میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ میں سراج الدولہ بہادر کو آزاد کردوں گی زنجیریں کاٹ دوں گی چاہے جتنی معتوب ٹھہرائی جاؤں۔

☆☆☆

میں ساری رات سو نہ پائی تھی سو صبح بستر میں ہی پڑی رہی بی بی تاج سے کہہ کر چائے میں نے بیڈروم میں ہی منگوالی اور چائے پی کر میں پھر بستر میں گھس گئی اور آنکھیں موندے سوچنے لگی کہ کیسے اور کیونکر سراج الدولہ اور ثنا مبین کو ایک کیا جائے تب ہی دستک دے کر وہ اندر آ گئے۔ میں اٹھ بیٹھی۔

آپ۔ وہ بہت کم میرے کمرے میں آتے تھے۔

آپ آج آفس نہیں جائیں گی۔

نہیں۔

میں نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا پیشانی کی رگ ابھری ہوئی تھی اور سرخ آنکھیں بتا رہی تھیں کہ رات وہ بھی نہیں سو پائے۔

کیوں؟

یونہی کچھ تھکن سی ہے۔ میں نے نگاہیں جھکا لیں۔

میں نے سوچا تھا ڈرائیور تو نہیں ہے میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں اگر طبیعت زیادہ خراب ہے تو ڈاکٹر۔

نہیں بالکل نہیں۔ میں نے ان کی بات کاٹ دی۔

بتایا ناں صرف تھکن ہے۔

وہ لمحہ بھر یونہی مجھے دیکھتے رہے جیسے کچھ کہنا چاہتے ہوں اور کہنے کے لئے الفاظ نہ مل رہے ہوں پھر یکا یک جیسے انہوں نے کچھ کہنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

اچھا اللہ حافظ۔

اللہ حافظ۔

میں نے لب بھینچ لیے...... یکا یک دل جیسے کٹ کٹ کر پانی ہونے لگا اور پھر ضبط کی طنابیں میرے ہاتھوں سے چھوٹ گئیں میں نے صاحبزادہ سراج سے بہت محبت کی تھی۔

بے حد شدید۔

اور یہ سب کچھ کس قدر تکلیف دہ تھا اور کتنا اذیت ناک لیکن یہ سب کچھ مجھے برداشت کرنا تھا۔

میں سارا دن بستر میں پڑی رہی می جی کو میں نے ٹال دیا تھا۔

یونہی موڈ نہیں آج اٹھنے کا، میں خواہ مخواہ ہنسی۔

آج دن بھر گانے سنوں گی، کتابیں پڑھوں گی اور بس۔

اچھا جو جی چاہے کرو بیٹا لیکن یہ نگوڑا مارا مہینہ ابھی ختم نہیں ہوا تم فارغ ہو تو ذرا جیولر کی طرف چلیں۔ ڈھیروں کام ہیں۔

جی چاہا ان سے کہہ دوں اب اس سب کی ضرورت نہیں ہے۔

لیکن ہمت نہ پڑی جلدی سے منہ کمبل کے اندر کرلیا کہ آنکھیں پانیوں سے بھر گئی تھیں می جی بڑبڑاتی ہوئی چلی گئیں دوپہر کو ثنا مبین کا فون آ گیا۔

لمحہ بھر کو تو میں حیران سی رہ گئی۔

آپ۔

ہاں میں ثنا مبین نوا جی۔ آپ نے مائنڈ تو نہیں کیا میرے فون کرنے کو۔

نہیں بالکل نہیں۔

دراصل تقریب میں آپ کو زیادہ ٹائم نہ دے سکی تھی تشنگی سی رہی۔ سوچا آج پھپھو آنٹی کے دفتر جاؤں گی اور خوب باتیں کروں گی فون کیا تو پتا چلا آپ آج آفس آئیں ہی نہیں وہاں سے آپ کا نمبر لے لیا سچ مچ آپ نے مائنڈ تو نہیں کیا نا۔

نو ناٹ ایٹ آل۔ نہیں بالکل بھی نہیں۔

نوا! آپ کے متعلق سن سن کر تو میں آپ کی عاشق ہو گئی تھی، آپ بہت اچھی ہیں نوا۔

اچھا.......میں نے بشاشت سے کہا۔

حالانکہ آپ تو سرتاپا معشوق ہیں۔

جی۔وہ میری بات سمجھی نہیں۔

کچھ نہیں۔

میں نے وضاحت کی۔

میرا مطلب تھا چاہے جانے کے قابل تو آپ ہیں۔اس قدر دلکش اتنا معصوم حسن میں نے اس سے پہلے کہیں نہیں دیکھا۔

اور میں نے محسوس کیا وہ شرما گئی ہے اور اس کے عارضوں پر انار چھوٹنے لگے ہوں گے کچھ دیر بعد بولی۔

اس روز اس نے بہت باتیں کیں۔ادھر اُدھر کی اپنی صاحبزادہ سراج کی اپنے پاپا اور ماما کی اپنی پھپھو آنٹی کی، میں اس کے لہجے کے حسن اور دلکشی میں کھوئی سی رہی میں نے محسوس کیا وہ ایک محبت کرنے والا

دل رکھتی ہے۔

وہ مجھے بہت اچھی لگی۔

نواجی! آپ سے ملنے کو آپ کے پاس بیٹھ کر آپ سے بات کرنے کو

دل چاہتا ہے۔

جب جس وقت جی چاہے آجایا کریں۔

آپ کل آفس آئیں گی ناں۔ میں وہاں آؤں گی۔

ضرور۔

اور سنیں۔ اس نے خدا حافظ کہنے سے پہلے کہا۔

صاحبزادہ صاحب سے کہیے گا کہ میں ان سے ناراض ہوں بہت

زیادہ، رات وہ کچھ دیر اور رک جاتے تو کیا تھا میں نے تو ابھی ان

سے بہت ساری باتیں کرنا تھیں اتنے سارے دنوں بعد تو وہ آئے

تھے اور ....

اچھا۔ میں زبردستی ہنسی۔

آپ ان سے بہت ناراض ہیں کہہ دوں گی۔

نادان لڑکی شاید میرے اور سراج کے رشتے سے بے خبر تھی یقیناً سراج نے اسے کچھ نہیں بتایا ہوگا شام کو سراج آفس سے واپس آئے تو پھر میرے کمرے میں چلے آئے میں اٹھ کر بیٹھ گئی اور دونوں بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹتے ہوئے اپنی ٹھوڑی گھٹنوں پر رکھ دی۔

آپ ابھی تک بستر میں ہیں نوا۔!

کوئی اور وقت ہوتا توان کی یہ تشویش مجھے سرشار کر دیتی لیکن اس وقت میں پتھر ہو رہی تھی۔

بس یونہی اٹھنے کو جی ہی نہیں چاہا۔

آپ ٹھیک تو ہیں نا؟

جی۔

ان کی نظریں میرے چہرے پر کچھ کھوج رہی تھیں لیکن میرا چہرہ سپاٹ تھا۔

اچھا اپنا خیال رکھیے گا۔

تھینک یو۔

ارے ہاں وہ ثنا کا فون آیا تھا۔

ثنا کا۔ وہ جاتے جاتے پلٹ آئے آنکھوں میں اضطراب کی لہریں اٹھیں متجسس نظریں میری طرف اٹھیں۔

ہاں آپ کے لئے میسج دیا تھا انہوں نے۔

کیا۔؟

وہ غیر ارادی طور پر پاس ہی پڑی کرسی پر بیٹھ گئے پاکٹ سے سگریٹ نکال کر سلگایا ان کی ہر حرکت ان کی اضطراری کیفیت کا پتا دے رہی تھی میرے سامنے دانستہ انہوں نے کبھی سگریٹ نہیں پیا تھا۔

سوری...نوا..........خیال آتے ہی انہوں نے سگریٹ بجھا دیا۔

کوئی بات نہیں۔آپ اگر ضرورت محسوس کر رہے ہوں تو۔

نہیں کوئی خاص نہیں۔

بجھا سگریٹ واپس رکھ کر وہ میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔

وہ آپ سے سخت ناراض ہیں۔

میں نے مزید ان کا صبر نہیں آزمایا اور پیغام دے دیا۔

بغیر تبصرہ کیے وہ اٹھ کھڑے ہوئے جانے سے پہلے انہوں نے ایک بار پھر غور سے دیکھا جیسے میرے چہرے سے میری دلی کیفیت جان لینا چاہتے ہوں پھر مایوس ہو کر سر جھکا لیا اور۔

بے وقوف ہے وہ۔زیر لب کہتے ہوئے باہر چلے گئے۔

☆☆☆

اگلے چند ماہ میرے لئے انتہائی مشکل تھے ایک طرف می جی تھیں جو
میری رخصتی کی تیاریوں میں بے طرح مصروف تھیں اور چاہتی تھیں
کہ میں بھی اسی ذوق شوق سے ان تیاریوں میں حصہ لوں جب کہ
میں دہرے عذاب میں تھی ایک طرف اپنی دنیا لٹ جانے کا دکھ۔
وہ جسے عمر بھر اپنا سمجھا تھا وہ کسی اور کا ہو گیا تھا بظاہر میرا رہتا بھی تو کیا،
اس کے جسم کا رواں رواں شناسا نہیں کا ہو چکا تھا دوسری طرف سراج
الدولہ بہادر کا دکھ جن کی راتیں جاگ کر اور دن اضطراب میں گزر
رہے تھے آنکھوں میں ایک مسلسل کرب کروٹیں لیتا رہتا پورا وجود درد
میں ڈھلا لگتا، اس حزن نے ان کی شخصیت کو اور بھی دل آویز بنا دیا تھا
ان کا دکھ مجھے اپنے دکھ سے بڑا لگتا۔
عمر بھر میں نے ان کے آنسو پونچھے تھے۔
ان کا درد بٹایا تھا اور ان کے پرابلمز کو شیئر کیا تھا لیکن یہ ایسا دکھ تھا جسے

وہ مجھ سے چھپا رہے تھے اور کچھ کہتے نہ تھے ایک بار اپنی زبان سے کہہ کر دیکھتے تو انہیں پتا چلتا کہ نوائے زیست ان کے لئے کیا کر سکتی ہے۔

کتنا چاہا ہے نوا اعماد الدولہ نے انہیں کہ شاید ہی کسی نے کسی کو چاہا ہو لیکن وہ تو اپنے آپ سے بھی چھپ رہے تھے اور ایک طرف وہ تھی۔

وہ معصوم ساحرہ۔

ثنا مبین جو گزرتے دن کے ساتھ دل میں اترتی جا رہی تھی وہ گھنٹوں آ کر میرے پاس بیٹھی رہتی اور شیریں لہجے میں بولتی رہتی۔

پتا ہے نوا جی! میں چھوٹی سی تھی نا جب ماما کی ڈیتھ ہو گئی تو میں سارا سارا دن روتی رہتی اور اللہ میاں سے جھگڑتی کہ اس نے میری ہی ماں کو اپنے پاس کیوں بلا لیا زیتون یا شیدے کی ممی کی کیوں نہ بلا لیا وہ اتنی گندی سی ہیں اور میری ماما تو اتنی خوبصورت تھیں ان دنوں میری عمر

کوئی نو دس سال تھی پھر پھپھو آنٹی آ کر ہمارے ساتھ مستقل رہنے لگیں پاپا نے شادی نہیں کی میری خاطر سب نے بہت کہا مگر انہوں نے انکار کر دیا حالانکہ پاپا آج بھی بہت ہینڈسم ہیں اور پتا ہے فنکشنز میں بعض خواتین انہیں بڑی للچائی نظروں سے دیکھتی ہیں اب بھی اور میں پاپا کو چھیڑتی ہوں۔

اور یہ جو پھپھو آنٹی ہیں نا ان دنوں اپنی تعلیم سے فارغ ہو چکی تھیں سو ہمارے ساتھ آ کر رہنے لگیں ہم تب کھاریاں میں تھے اور پتا ہے وہاں پھپھو آنٹی کو پاپا کے ایک میجر دوست اظفر حسین سے محبت ہو گئی۔

اور یہ محبت یوں ہو جاتی ہے نوا جی؟

وہ بات کرتے کرتے معصومیت سے پوچھتی۔

پتا نہیں۔

آپ کو بھی نہیں پتا حالانکہ صاحبزادہ صاحب کہتے ہیں کہ آپ بہت ذہین اور بہت عقل مند ہیں۔

بہت ساری باتیں بہت سارے عقل منداور ذہین لوگوں کو بھی نہیں پتا ہوتیں۔

اچھا لیکن مجھے لگتا ہے جیسے مجھے بھی۔

اس کی آواز سرگوشی میں ڈھل جاتی

مجھے بھی محبت ہوگئی ہے صاحبزادہ صاحب سے۔

وہ بولتی چلی جاتی۔

اور میرے اندر اذیت کی لہریں سی اٹھنے لگتیں یہاں سے وہاں تک پورا وجود اذیت میں مبتلا ہو جاتا۔

صاحبزادہ صاحب بہت اچھے ہیں لیکن آپ ان کو بتانا نہیں کہ میں ان سے محبت کرنے لگی ہوں۔

پاگل لڑکی! یہ بھی کوئی بتانے کی بات ہے۔ محبت تو اس کی آنکھوں سے اس کے چہرے سے اس کی ہر حرکت سے ظاہر ہو رہی تھی۔

اور پتا ہے نوا جی۔

اسے ایک دم یاد آ تا کہ وہ تو اپنی پھپھو آنٹی کے متعلق بتا رہی تھی۔

اور پتا ہے میجر اظفر کو بھی پھپھو آنٹی سے محبت ہو گئی اور پھر انہوں نے پھپھو آنٹی کو پرو پوز کر دیا اور جب پاپا نے باؤ جی سے بات کی اور میجر اظفر کی بہت تعریف کی تو باؤ جی نے کہا۔

باؤ جی کون؟ میں پوچھتی۔

دادا جان ہیں نا۔ ہم انہیں باؤ جی کہتے ہیں تو پتا ہے باؤ جی نے کہا انہوں نے تو عروج فاطمہ کی منگنی بھی کر دی ہے خاندان میں ہی جب وہ کھاریاں آئی تھیں اور انہیں پتا بھی نہ چلا نہ کسی نے ان سے پوچھا نہ بتایا۔

تب پھپھو آنٹی ششدر ہو گئیں انہیں تو گمان بھی نہیں تھا کہ ایسا کچھ ہو گا۔

اور اگر جو مجھے پتا ہوتا تو میں میجر اظفر سے کوئی پیمان نہ کرتی انہیں دکھ تھا کہ اپنے ساتھ میجر اظفر کو بھی انہوں نے دکھی کیا۔

میجر اظفر کو پتا چلا تو وہ پاپا کے پاس آئے۔

میں بہت سادہ اور کھرا آدمی ہوں جس سے ایک بار کمٹ منٹ ہو گئی بس ہو گئی۔ پلیز ہیلپ می۔ میں اس طرح جی نہ پاؤں گا۔

انہوں نے پاپا کے پاؤں پکڑ لئے۔

پھپھو آنٹی نے یہ بات اتنی بار مجھے بتائی ہے کہ میں تصور میں دیکھتی ہوں جیسے میجر اظفر پاپا کے پاؤں پکڑے بیٹھے ہوں اور ان کی آنکھیں آنسو برسا رہی ہوں۔

تب پاپا نے ایک بار پھر باؤ جی سے بات کی۔

میجر اظفر بہت اچھے انسان ہیں ثقلین نقوی سے ہزار درجے اچھے اور عروج فاطمہ ان کے ساتھ بہت خوش رہیں گی۔

لیکن باؤ جی نہیں مانے کیونکہ شریف لوگ زبان دے کر بدلہ نہیں کرتے اور پھر پھپھو آنٹی کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا اور جب وہ ہاسپٹل سے گھر آئیں تو میجر اظفر کی پوسٹنگ کوئٹہ ہو چکی تھی اور پھپھو آنٹی کے پاس صرف وہ بکے تھے جو میجر اظفر ہاسپٹل میں انہیں بھیجتے رہے تھے۔

اور پتا ہے نوا جی! وہ سوکھے ہوئے پھول آج بھی پھپھو آنٹی کے پاس ہیں اور میں سوچتی ہوں اگر میرے ساتھ ایسا ہوتا تو میں تو مر ہی جاتی پھپھو آنٹی تو بہت حوصلے والی ہیں مگر میں نہیں ہوں پتا ہے وہ اب بھی راتوں کو میجر اظفر کی تصویر دیکھ کر چپکے چپکے روتی ہیں۔

میں کانپ جاتی اور اس کا دھیان بٹانے کے لئے پوچھتی۔

تو پھر میڈم کی شادی ہو گئی۔

نہیں پتا نہیں بات کیسے باہر نکل گئی شاید پھپھو آنٹی نے اپنی کسی راز دار کزن سے اپنی اور میجر اظفر کی بات کی تھی یا پھر پتا نہیں کیسے۔ دو سال بعد جب باؤ جی نے پھپھو آنٹی کو گاؤں بلایا تا کہ ان کی شادی کر سکیں کیونکہ ثقلین نقوی چھٹی پر گھر آئے ہوئے تھے وہ شارجہ ہوتے تھے تو جس روز ہم گاؤں پہنچے اس سے ایک روز پہلے ثقلین نقوی کے گھر والوں نے شادی سے انکار کر دیا گاؤں میں اچانک ہی مشہور ہو گیا تھا کہ پھپھو آنٹی کسی اور سے شادی کرنا چاہتی تھیں اور اس کے لئے انہوں نے زہر بھی کھایا تھا باؤ جی بہت غصے میں تھے۔ انہوں نے پاپا سے صرف اتنا پوچھا کہ کیا جب میجر اظفر کو انکار کر دیا گیا تو اس کے بعد عروج ہاسپٹل میں رہی تھیں۔

جی ہاں وہ کچھ بیمار ہو گئی تھی۔

اور تم نے مجھے اطلاع بھی نہ دی۔

میں نے سوچا خواہ مخواہ پریشانی ہو گی۔

زہر کھایا تھا اس نے؟

نہیں تو۔ پاپا حیران رہ گئے۔

ثقلین نے اس سے شادی کرنے سے انکار کر دیا ہے اس بے عزتی

کے بعد تم اسے اپنے ساتھ ہی لے جاؤ پھر لے کر نہ آنا میرے گھر۔

مگر باؤ جی آپ میری بات تو سنیں۔

پاپا پریشان ہو گئے تھے۔

میں خود ثقلین سے بات کرتا ہوں۔

لیکن باؤ جی نے ان کی بات نہیں سنی اور وہ پھپھو آنٹی کو ساتھ لے کر

واپس آ گئے اور پھر اس دن کے بعد مر کر گاؤں میں نہیں گئے حالانکہ

میرا کتنا جی چاہتا ہے باؤ جی سے ملنے کا لیکن پاپا کو اس بات کا غصہ
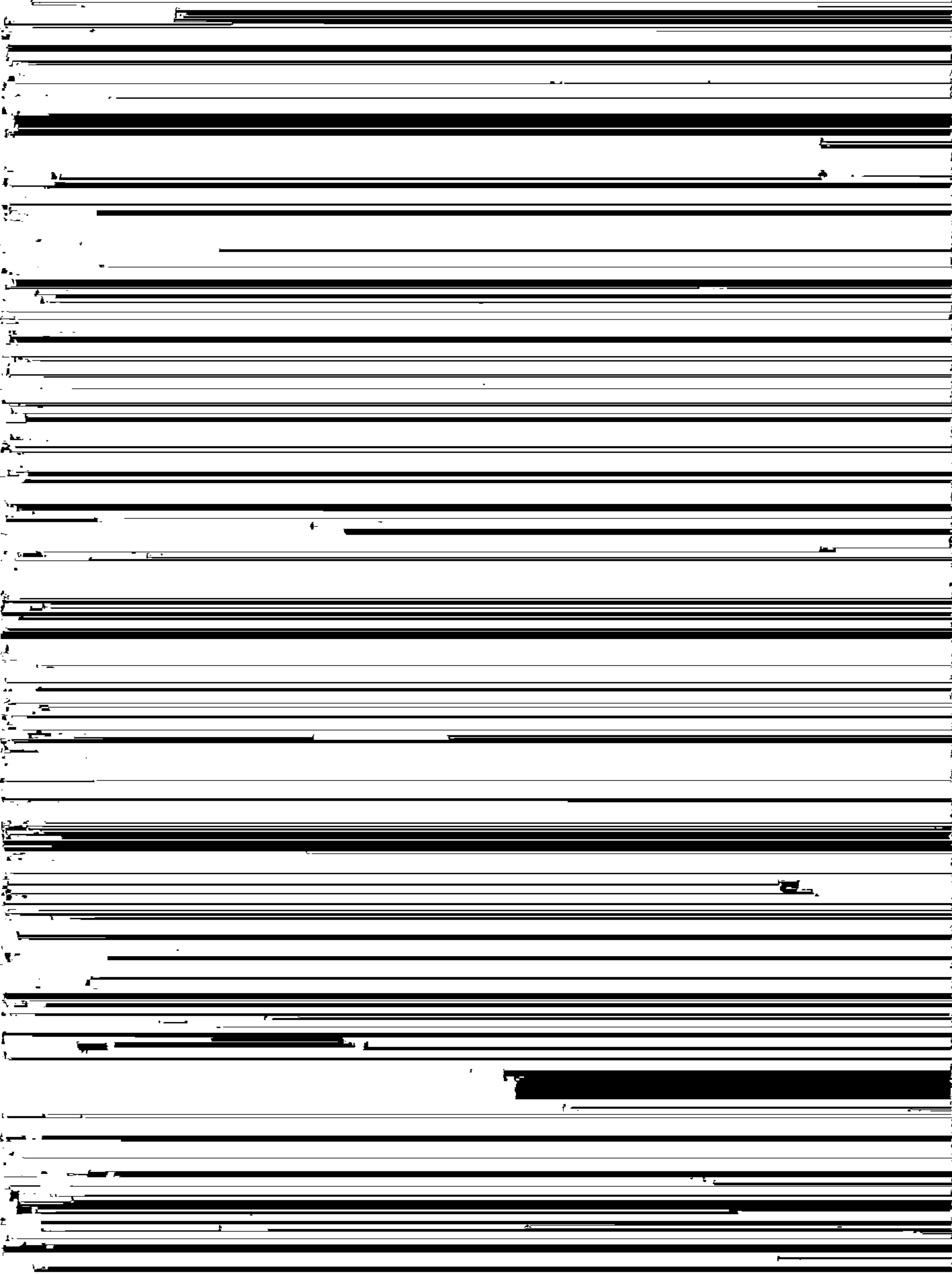
کو بتا دیا ہے۔

اور میں جو انہیں کھو دوں گی۔

میری آنکھوں میں مرچیں سے لگنے لگیں۔

کسی ایک کو تو انہیں کھونا ہی پڑے گا ثنا مبین۔

میں سوچتی تمہیں یا مجھے۔

پتا ہے نواجی میں نے پاپا سے بھی بات کر لی ہے پاپا میرے بہت اچھے دوست ہیں اور انہوں نے کہا ہے انہیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے بشرطیکہ صاحبزادہ صاحب بھی ایسا چاہیں لیکن پتا نہیں صاحبزادہ صاحب اس سلسلے میں کچھ کیوں نہیں کہتے میرا دل کہتا ہے وہ بھی مجھ سے محبت کرتے ہیں وہ گھنٹوں مجھ سے باتیں کرتے ہیں جب مجھے دیکھتے ہیں ان کی آنکھیں کہتی ہیں کہ وہ چاہتی بھی ہیں۔

اچھا تو آنکھوں کی زبان بھی سمجھتی ہو؟

میں دل کا درد چھپا کر اسے چھیڑتی وہ شرما جاتی۔

میں بس صرف صاحبزادہ صاحب کی آنکھیں سمجھ سکتی ہوں اتنا بولتی

ہیں ان کی آنکھیں لیکن لب خاموش رہتے ہیں۔

پھر وہ گھر بھی آنے لگی میں آفس نہ جاتی تو وہ گھر آ جاتی۔

می جی پھپھو جی اور بی بی تاج سب کو ہی بہت اچھی لگتی تھی اس نے

سب کے دل میں ہی گھر کر لیا تھا۔

☆☆☆

مجھے تین ماہ ہو گئے تھے اور میں نے جاب نہیں چھوڑی تھی۔

می جی بہت غصے میں تھیں اور پہلی بار میں می جی کے غصے کی پرواہ نہیں

کر رہی تھی میرے دل و دماغ میں جو جنگ ہو رہی تھی۔ وہ مجھے پیسے

جا رہی تھی کبھی کبھی تو یوں لگتا جیسے میرا وجود چکی کے دو پاٹوں کے

درمیان آ گیا ہو۔

اس روز می جی پھپھو کے ساتھ لگی اسٹور سے تانبے کے نقشین برتن نکلوا رہی تھیں تا کہ انہیں قلعی کروایا جائے ساتھ ہی پھپھو سے میری شکایتیں ہو رہی تھیں۔

تم دیکھ رہی ہو، زہرہ اسے کوئی پراوہ نہیں آج چھٹی ہے تو کتابیں لے کر کمرے میں گھس گئی ہے کیا مجال ہے کہ آ کر کوئی مشورہ ہی دے کبھی بتا ہی دے کیا چاہیے کیا نہیں اور پھپھو جی حسب معمول خاموشی سے ان کی باتیں سن رہی تھیں کہ ثنا آ گئی اور می جی نے اس سے بھی میری شکایت کر دی اور می جی سے میری شادی کا سن کر وہ خوشی سے بھاگتی ہوئی کمرے میں آ گئی۔

اللہ نوا جی۔ کتنی چھپی رستم ہیں آپ۔ اتنی بڑی بات آپ نے چھپا رکھی تھی مجھ سے میں سخت ناراض ہوں آپ سے۔ جائیے نہیں بولتی میں آپ سے۔

اوہوں ناراض نہیں ہوتے۔

ایک شرط پر۔

کیا؟

فٹافٹ اپنے ان کے متعلق الف سے یے تک سب کچھ بتا دیں۔

کیا بتاؤں۔

یہی کہ وہ کیسے ہیں آپ کے جیسے ہی کشادہ دل ہمدرد اور محبت کرنے والے صاحبزادہ صاحب کہتے ہیں آپ بہت سخی ہیں آپ کا دل بادشاہوں جیسا بڑا ہے کیا وہ بھی آپ کی طرح سخی اور مہربان ہیں پتا ہے صاحبزادہ صاحب نے مجھے بتایا تھا کہ جب پہلی بار وہ آپ سے ملے تھے تو آپ انہیں کوئی مہربان پری لگی تھی جو آسمانوں سے راستہ بھول کر آگئی ہو مہربان اور شفیق۔

اور کاش کبھی سراج الدولہ صاحب نے مجھ سے یہ سب کہا ہوتا، میں

نے سوچا۔

ہاں تو بتائیں ناں کیا وہ آپ کی طرح دل کے سخی اور مہربان ہیں۔

پتا نہیں۔

اب بنیں تو نہیں نا۔ اس نے مجھے گدگدایا۔

کیا آپ ان سے محبت کرتی ہیں۔

ہوں. میں نے سر ہلا دیا۔

اور وہ بھی۔

پتا نہیں۔

اور جب تک آدمی کو پتا نہ چلے کہ وہ جسے چاہتا ہے وہ بھی اسے چاہتا ہے کہ نہیں تو کیسی عجیب سی اذیت ہوتی ہے جس میں لذت بھی ہوتی ہے اور خوف بھی جان لینا کتنا اچھا ہوتا ہے نوا جی! اور میں نے بھی جان لیا ہے۔

اس نے چٹکی بجائی۔

کیا جان لیا ہے۔

جاننا کیا ہے یقین پالیا ہے نوا جی۔

اس نے عالم سرشاری میں میرے رخسار کو چوم لیا۔

کیسا یقین؟

یہ کہ صاحبزادہ صاحب بھی مجھ سے محبت کرتے ہیں مجھے چاہتے ہیں اتنی ہی شدتوں سے جتنی شدتوں سے میں چاہتی ہوں انہیں۔

پتا ہے اس روز انہوں نے مجھ سے کہا۔

ثانو! میں آپ کے سامنے ہوتا ہوں تو سب کچھ بھول جاتا ہوں اپنی زندگی کی ہر تلخی اور ہر غم، ہر خوشی اور ہر دکھ کو بس جی چاہتا ہے کہ آپ کو بیٹھا دیکھتا رہوں سوچتا رہوں اگر کبھی زندگی میں آپ سے بچھڑ گیا تو کیا ہوگا شاید کائنات اپنے مرکز سے ہٹ جائے شاید میرا وجود پاش

پاش ہو جائے اور نوا جی! کیا یہ ضروری ہے کہ آئی لو یو کہا جائے اس سے پتا نہیں چلتا کہ وہ۔

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

آئی لو یو کہنا قطعی ضروری نہیں۔ یقین تو لہجوں سے رویوں سے خود بخود مل جاتا ہے۔ تب ہی سراج آ گئے شاید ثنا کی کشش انہیں میرے کمرے میں کھینچ لائی تھی۔

آپ۔ ان کی آنکھوں میں جگنو سے چمکے اور بجھ گئے۔

جی ہم۔ وہ کھڑے ہو کر کورنش بجا لائی۔

ان کی نگاہیں اس کی شوخ نظروں سے الجھ کر رہ گئی تھیں کوئی کام تھا کیا؟ میں نے پوچھا تو چونک کر مجھے دیکھا۔

ہاں وہ میں ایک نئی بک لایا تھا آپ تو نہیں لائیں؟

میں نے شیلف سے بک اٹھا کر انہیں دے دی تو وہ جانے کے لئے

مڑے۔

بیٹھیں ناں۔آپ کہاں بھاگ رہے ہیں۔

ثنا نے انہیں روک لیا۔

پتا ہے میں آپ سے بھی ناراض ہوں۔

اسے اچانک یاد آیا۔

آپ نے بھی مجھے نہیں بتایا کہ نوا جی کی شادی ہو رہی ہے اور نوا جی نے بھی کبھی نہیں بتانا تھا اگر می جی نہ بتاتیں عین شادی کے دن کارڈ دیا جاتا تو میں نے بھی نہیں آنا تھا شادی میں۔

کس قدر عزیز ہوگئی تھی وہ مجھے اور کس قدر دشمن لگتی تھی وہ کبھی کبھی۔

میں نے سر اٹھا کر دیکھا صاحبزادہ صاحب سراج کا چہرہ یک دم یوں سفید ہو گیا تھا جیسے کسی نے سارا خون نچوڑ لیا ہو اور ہاتھ میں پکڑی کتاب پر ان کی گرفت اتنی سخت ہوگئی تھی کہ انگلیوں کے جوڑ ابھر آئے

تھے اور انگلیاں سفید ہو رہی تھیں وہ یک دم بیٹھ پر بیٹھ گئے جیسے کچھ دیر
اور کھڑے رہے تو گر جائیں گے ہونٹ بھینچ گئے تھے۔

میرا دل ایک دم پانی ہو گیا اور جیسے کوئی ماں اپنے بچے کے لئے بے
چین ہو جاتی ہے۔ میرا جی چاہا کہ انہیں اپنے بازوؤں میں لے لوں وہ
ان دیکھے آنسو جو اندر ہی اندر گر رہے تھے اپنے ہاتھوں سے پونچھ
ڈالوں اور پھر کہوں پریشان نہ ہوں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ مجھے لگا
جیسے وہ ننھے بچے ہوں ڈرے سہمے خوفزدہ سے اور ان کے تایا زاد اور
چچا زاد انہیں ڈانٹ رہے ہوں مار رہے ہوں بے اختیار لبوں سے
نکلا۔ ''ڈونٹ وری'' اور میری نظریں ان کی نظروں سے ملیں تو جیسے
ان کا جمود ٹوٹا وہ چونکے کتاب پر ان کی گرفت نرم پڑ گئی اور چہرے کی
رنگت ہولے ہولے واپس لوٹنے لگی ان کی نظروں نے دوبارہ
میرے چہرے کو چھوا تو میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں انہیں تسلی دی

ثنا اپنی دھن میں جانے کیا کیا کہے جا رہی تھی نہ سراج سن رہے تھے نہ میں میں نے صاحبزادہ سراج سے نگاہیں ہٹا کر ثنا کی طرف دیکھا اور مسکرائی۔

چلو تم اپنی شادی کے متعلق نہ بتا کر حساب برابر کر لینا۔

یک دم اس نے نگاہ ہٹا کر سراج کی طرف دیکھا اور اس کی آنکھوں کا کانچ لو دینے لگا گالوں پر انار پھوٹنے لگے سراج کی نگاہیں اس کے چہرے پر ہی جم کر رہ گئی تھیں میرا دل جیسے ڈوبنے لگا یا اللہ یا اللہ مجھے حوصلہ دے۔

میں نے بے آواز دعا کی۔

یارب العالمین! وہ پیمان جو ابھی آنکھوں ہی آنکھوں میں میں نے صاحبزادہ سراج سے باندھا ہے مجھے اس پر قائم رہنے کا حوصلہ عطا فرما۔

آنکھوں میں یک دم مرچیں سی لگنے لگیں میں نے زور سے آنکھیں بھینچ کر پھر کھولیں اور سراج کی طرف دیکھ کر بڑے حوصلے سے مسکرائی سراج بہادر کی نگاہیں ثنا کے چہرے پر تھیں۔

ثنا ان کی نگاہوں کی حدت سے ساری کی ساری سرخ ہو رہی تھی، نگاہوں کی آنکھ مچولی کا بڑا دلچسپ اور رنگین کھیل جاری تھا کس قدر خوبصورت منظر تھا۔

میرے اور سراج کے درمیان نگاہوں کے یہ تبادلے بھی نہیں ہوئے تھے شاید میرے لئے سراج کے دل میں یہ جذبے کبھی بیدار نہیں ہوئے تھے۔

اور عمر بھر کی ریاضت رائیگاں گئی۔

میں نے نگاہیں جھکا لیں۔

اور عمر بھر میں نے اس شخص کی پرستش کی۔

طواف کا دائرہ اب پہلی بار ٹوٹا ہے۔

میں یک دم کھڑی ہوگئی۔

تم لوگ باتیں کرو میں تمہارے لئے چائے بنواتی ہوں۔

سراج نے چونک کر مجھے دیکھا۔

نہیں میں تو بس جا ہی رہا تھا۔

پلیز بی بی تاج، می جی کے ساتھ مصروف ہے آپ ثانو کو کمپنی دیں میں

ابھی آئی، سراج کی نگاہیں میری طرف اٹھیں ایک ممنونیت کا احساس

ہلکورے لے رہا تھا وہاں۔

میں نے باہر قدم رکھا اور مجھے یوں لگا جیسے میرا دل میرا کوئی بہت قیمتی

خزانہ اندر ہی رہ گیا ہو لمحہ بھر کو میرا جی چاہا واپس پلٹ جاؤں اور ثنا کا

ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے کمرے سے باہر نکال دوں اور کہوں۔

معصوم ساحرہ، تو نے جس شخص کا دل اپنی مٹھی میں لے رکھا ہے اور

خواب اپنی آنکھوں میں سجا رکھے ہیں وہ تو سر تا پا کسی اور کا پابند ہے

اور برسوں سے کسی اور نے بھی اسکے خوابوں سے اپنی دنیا بسائی تھی اور

تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تم اس کے خوابوں کو چراؤ دوسروں کی

روشنی چرا کر اپنے گھر میں اجالا نہیں کیا جاتا ننھی جادوگرنی۔

لیکن اگر وہ چلی بھی گئی۔

اور اس نے اپنی مٹھی کھول بھی دی تو۔

اور اپنی آنکھوں سے اس کے خواب نوچ کر پھینک بھی دیئے تو کیا۔

مجھے کیا ملے گا صرف ایک ممنونیت بھری نظر۔

جو برسوں سے میں پا رہی ہوں اور دھوکے میں ہوں۔

نظریں تو وہ تھیں جو ابھی ثنا کے چہرے کی بلائیں لے رہی تھیں۔

محبت کے جذبے سے سرشار۔

اپنا سب کچھ حسن کی بارگاہ میں لٹا دینے کا اظہار کرتی نظریں۔

تو میری آنکھوں کو ہی ویران ہونا ہے۔

اکیلے سفر کرنے کا فائدہ جب وہ ہی ساتھ نہیں ہوگا۔

اور پھر ان کی خوشی۔

تیری خواہش مجھے اپنی جان سے بھی بڑھ کے ہیں۔

میں مضبوطی سے قدم دھرتی کچن میں آگئی۔

ثنا کے جانے کے بعد سراج بہت دیر یونہی میرے قریب خاموش

کھڑے رہے۔

نوا! کچھ دیر بعد انہوں نے آہستگی سے کہا تو ان کی آواز بہت بوجھل ہو

رہی تھی۔

نوا! میں۔

پلیز کچھ مت کہیں میں جانتی ہوں کچھ جذبے بے اختیار ہوتے ہیں،

آدمی کا اس میں اتنا قصور نہیں ہوتا۔

مگر۔

سب ٹھیک ہو جائے گا، سراج! آپ پریشان نہ ہوں۔

کیسے؟ وہ حیران سے تھے۔

میں.........میں کرلوں گی سب ٹھیک۔

کیسے بھلا۔

پلیز۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر انہیں خاموش کر دیا۔

آپ بے فکر رہیں ثنا بہت اچھی لڑکی اور آپ سے محبت کرتی ہے۔

وہ تو پاگل ہے آپ۔

میں پاگل نہیں ہوں۔

میں نے ان کی بات کاٹ دی اور انہیں وہیں چھوڑ کر چلی آئی۔

☆☆☆

پھر بہت سارے دن گزر گئے میں کشمکش میں تھی کہ کیسے کس طرح می جی سے کہا جائے کہ میں سراج الدولہ بہادر سے شادی نہیں کرسکتی لہٰذا ان سے کہا جائے کہ وہ مجھے آزاد کردیں کہیں می جی کو ہارٹ اٹیک ہی نہ ہو جائے۔

اُف کیسے عذاب کے دن اور راتیں تھیں ادھر ثنا اکثر چلی آتی۔

صاحبزادہ سراج بھی گھر میں ہوتے تو وہ بھی آجاتے اور پھر میں انہیں کسی بہانے تنہا چھوڑ کر چلی جاتی اور دانستہ دیر لگا کر آتی ان دنوں ثنا بہت خوش تھی اور اتنی حسین ہو رہی تھی کہ نگاہیں اس کے چہرے کے جمال پر ٹھہرتی ہی نہ تھیں اور سراج بھی بہت مطمئن اور خوش دکھائی دیتے تھے۔

محبتوں کو اظہار پیرائے کیا ملے تھے رنگ ہی بدل گئے تھے اور میں ان رنگوں کو دیکھ رہی تھی اور محسوس کر رہی تھی لیکن کبھی کبھی یہ رنگ بری

طرح میری آنکھوں میں چبھنے لگتے اور پھر ایک طویل جنگ۔
دل و دماغ اور روح کو پیستی ہوئی جنگ اور جنگ کے بعد میری پسپائی
اور گھنٹوں رونا ثنا مبین اور سراج الدولہ بہادر دونوں ہی مجھے عزیز تھے
چاہے خود ٹکڑے ٹکڑے ہو جاؤں۔
سراج کا اطمینان بتا تا تھا کہ انہیں مجھ پر یقین ہے کہ میں سب ٹھیک کر
لوں گی اتنا خوش میں نے زندگی میں کبھی سراج کو نہیں دیکھا تھا۔
آغا بھائی کو تشویش ہوئی۔
یہ سراج آج کل بڑے خوش دکھتے ہیں خیریت۔
کیوں کیا انہیں خوش رہنے کا حق نہیں۔
دراصل کچھ خلافِ مزاج ہے نا اس لئے کچھ حیرانی اور پریشانی ہے۔
آپ کی پریشانی لایعنی ہے۔
اور وہ ثنا مبین وہ قصہ ختم ہوا یا ہنوز۔

ختم ہی سمجھیں۔میں نے نگاہیں چرالیں۔

ادھر میری طرف دیکھ کر بات کرو نوا...... مجھے کچھ گڑ بڑ لگ رہی ہے۔

کوئی گڑ بڑ نہیں میں بدستور دوسری طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

یہ ذرا میں می جی سے پوچھو تو سہی۔ آخر ان کی تیاریاں کب ختم ہوں گی

تاریخ مقرر کریں ذرا رونق شونق ہو۔

وہ میرے پاس سے اٹھ کر می جی کی طرف چلے گئے۔

لو مبارک ہو۔

وہ می جی کے پاس سے اٹھ کر میرے پاس آئے۔

می جی کہہ رہی ہیں آج وہ تمہارے بابا جان سے بات کریں گی کہ

اگلے مہینے کی کوئی تاریخ رکھ دیں گے۔

میں دھک سے رہ گئی۔

بھلا یہ کیسے ممکن ہے میں نے سوچا۔

اتنی جلدی میں کیسے کچھ کروں گی۔

بے اختیار میرے منہ سے نکلا۔

ارے تم نے کیا کرنا ہے۔سب کچھ تو می جی اور پھپھو جی کر رہی ہیں۔

وہ زور سے میرا سر ہلا کر چلے گئے۔

اور سراج کیا سوچیں گے کتنے یقین سے میں نے کہا تھا کہ میں سب ٹھیک کر لوں گی میں آج ہی می جی سے بات کرتی ہوں۔

میں اٹھ کر می جی کی طرف گئی وہ اور پھپھو جی سر جوڑے جانے کیا باتیں کر رہی تھیں پھپھو جی کے چہرے پر بڑی رونق تھی ورنہ تو ان کا چہرہ ہمیشہ بہت سپاٹ اور خاموش رہتا تھا خود تو جیسے وہ بولنا بھول ہی گئی تھیں لیکن جب سے گھر میں شادی کی تیاری شروع ہوئی تھی وہ چپکے چپکے می جی سے باتیں کرتیں، مسکراتیں اور ان کے چہرے پر رونق رہتی ایک روز بابا جان نے بھی ان سے کہا۔

زہرہ! شکر ہے تمہارے چہرے پر بھی رونق نظر آرہی ہے خوش رہا کرو بہن! اپنے لئے نہ سہی سراج کے لئے ہی سہی۔

آؤ، آجاؤ رک کیوں گئی ہو۔؟

انہوں نے مجھے دروازے پر کھڑے دیکھ لیا تھا۔ میں اندر چلی گئی تو انہوں نے اٹھ کر پاس پڑا دوپٹا میرے سر پر اوڑھا دیا اور پھر خوشی سے بولیں۔

دیکھا بھابھی، آپ کو یہ رنگ پسند نہیں تھا لیکن کتنا سوٹ کر رہا ہے میرے ساجی کی دلہن کو۔

انہوں نے بہت محبت سے میری پیشانی کو چوما، میری آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں می نے دوپٹا اتار کر تہہ کر کے می جی کے پاس رکھ دیا اور خود سر جھکا کر می جی کے پاس ہی بیٹھ گئی می جی نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا اور پھر شاید میری آنکھوں کے پانیوں پر ان کی نظر پڑ گئی انہوں نے بے

اختیار اپنے بازو میرے گرد حمائل کرتے ہوئے مجھے اپنے ساتھ لگا لیا۔

زہرہ! ہم نے اپنی زندگی تمہیں دے دی ہے بہت سنبھال کر رکھنا۔

ان کی آواز بھرا گئی۔

حالانکہ مجھے رخصت ہو کر کہیں دور نہیں جانا تھا پھر بھی یہ لمحے ایسے ہوتے ہیں کہ امی جی بھی اپنے آنسوؤں کو نہ روک سکیں اور مجھے تو بہانہ چاہیے تھا میں ان کے کندھے پر سر رکھ کر بہت سارا روئی پھپھو جی نے ایک بار پھر مجھے گلے لگا کر بہت سا پیار کیا اور میں جو امی جی سے کہنے آئی تھی کہ مجھے سراج سے شادی نہیں کرنی، بنا کچھ کہے واپس آ گئی۔

اور یہ کتنا مشکل تھا اتنے سارے لوگوں کا دل توڑنا۔

صرف ایک اس شخص کی خاطر اور وہ ایک میں۔

میری اذیتوں سے بے خبر ثنا مبین کی محبتوں میں ڈوبا ہوا تھا۔

اور ثنا مبین اس قابل تھی کہ اسے چاہا جاتا۔

اور وہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے اور ضروری تھا کہ وہ

دونوں ایک بندھن میں بندھ جاتے لیکن بیچ میں میں تھی۔

بظاہر ایک ناقابلِ تسخیر دیوار۔

لیکن اس دیوار کو ڈھنا تھا۔

خود میں اس کو ڈھانا چاہتی تھی لیکن کوئی تدبیر کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا

تھا ان دنوں میں اپنے آپ سے جنگ میں اتنی مصروف تھی کہ مجھے

اپنی خبر تک نہ تھی دو دو دن کپڑے تک نہ بدلتی کبھی مجھے ثنا پر بہت پیار

آتا اور کبھی وہ مجھے اپنی دشمن لگتی دل چاہتا اس سے نفرت کروں لیکن

اس سے نفرت کی ہی نہیں جا سکتی تھی وہ اتنا پیار کرتی تھی کہ جی چاہتا تھا

کہ سب کچھ ہار دیں اس روز وہ بڑے دنوں بعد آئی تھی اور آتے ہی

منہ پھلا کر بیٹھ گئی۔

میں آپ سے سخت ناراض ہوں نواجی۔ میں نہیں آتی تو آپ نے بھی خبر نہیں دی اگر میں مر جاتی تو۔

خدا نہ کرے کیا ہوا تھا؟

مجھے فلو ہو گیا تھا بہت شدید۔

فلو سے کوئی نہیں مرتا۔

مجھے ہنسی آ گئی۔

پھر بھی آپ نے میرا حال تو پوچھنا تھا نا۔

جانو! مجھے کیا پتا تھا کہ تم بیمار ہو۔

ہیں اس نے آنکھیں پھیلائیں۔

صاحبزادہ صاحب نے آپ کو نہیں بتایا تھا وہ پرسوں آئے تھے تو میں نے ان سے کہا تھا کہ نواجی کو لے کر آیئے گا اتنی اداس ہو رہی تھی میں

آپ کے لئے مجھے ٹمپریچر بھی ہو رہا تھا اور پاپا مجھے آنے ہی نہیں دے رہے تھے۔

نہیں۔

بڑے خراب ہیں وہ۔ میں لڑائی کروں گی ان سے۔

دراصل شنی! دو دن سے میری ان سے ملاقات ہی نہیں ہوئی آمنا سامنا ہی نہیں ہوا۔ ورنہ بتا دیتے وہ۔

ہائے۔ اسے پھر حیرت ہوئی۔

ایک گھر میں رہ کر آپ دو دن بات نہیں کرتیں سچی نوا جی! میرا تو جی چاہتا ہے کہ بس صاحبزادہ صاحب بولتے رہیں اور میں کی باتیں سنتی رہوں اور زندگی بیت جائے اتنی خوبصورت باتیں کرتے ہیں وہ اور اتنے شعر آتے ہیں انہیں کتنا خوبصورت انداز ہے

ان کے شعر پڑھنے کا ہے نا۔ پتا نہیں۔

میں اسے کیا کہتی۔ اتنے برسوں کے ساتھ کے باوجود مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا تھا کہ سراج کو اشعار سے بھی کچھ دلچسپی ہے میں جو خود کو سراج کا سایہ سمجھتی تھی اور بچپن سے لے کر اب تک میرے خالہ زاد بہن بھائی مجھے ان کا نام لے کر چھیڑتے رہے تھے۔

پتا ہے نواجی! کل صاحبزادہ صاحب مجھ سے کہہ رہے تھے کہ وہ میرے بغیر جی نہیں سکیں گے مر جائیں گے لیکن پتا نہیں کیوں وہ پیا سے بات نہیں کرتے میں تو خود مر جاؤں گی نواجی۔ مجھے لگتا ہے جیسے میں ان کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ آپ نواجی کیا آپ نے بھی اپنے ان سے اتنی ہی شدید محبت کی ہے۔

وہ مسلسل بولتی رہی۔

اس کی محبت عشق کی حدوں کو چھو رہی تھی اور سراج بھی شاید اس سے

.........اور میں نے بھی ابھی تک کچھ نہیں کیا تھا۔

اور میں کیا کر سکتی ہوں۔ میں نے بے بسی سے سوچا۔

کتنا مشکل ہے می جی اور بابا جان کا سامنا کرنا۔

پھر سارے جہاں کی باتیں۔

لیکن پھر اتنا بڑا دعویٰ کیوں کیا تھا۔

میرے اندر سے آواز آئی۔

ہاں لیکن ناممکن ہے میرے لئے اتنے سارے لوگوں کو دکھ دینا، میں نے جیسے فیصلہ کرلیا۔

اور وہ دونوں جو دکھی ہوں گے، دل نے سرگوشی کی۔

کیا سراج کے آنسو برداشت کرلوں گی۔

دیکھ سکو گی اسے روتا ہوا اداس اور دکھی۔

اور یہ لڑکی ثنا مبین جو تمہاری کچھ نہیں لگتی لیکن چند ماہ میں ہی تمہارے اندر اتر آئی ہے۔

اسے دیکھ سکو گی مرتا۔

اور اسے بچاتے بچاتے میں خود مر گئی تو نہیں یہ ممکن نہیں ہے۔

میں نے فیصلہ کر لیا۔

اور میرے اندر یہاں سے وہاں تک اطمینان پھیل گیا میں نے سر اٹھا کر شا مبین کی طرف دیکھا ملکیت کے احساس سے میری گردن اٹھی ہوئی تھی اور ایک احساسِ تفاخر سے میری آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔

اور سراج الدولہ بہادر کو تم مجھ سے چھین نہیں سکتیں شا مبین۔ بے شک تم ان سے کتنی بھی محبت کرو اور وہ بھی تم سے کتنی ہی محبت کریں کہ مدت ہوئی فیصلے ہو چکے اور اب انہیں بدلا نہیں جا سکتا۔

اللہ نو اجی! آپ کی آنکھیں کتنی خوبصورت ہیں کتنی سیاہ اور کتنی کالی اور اس وقت یہ آنکھیں کیسی لگ رہی ہیں کیسی لگ رہی ہیں اللہ! مجھے کوئی تشبیہ ہی نہیں آ رہی صاحبزادہ صاحب ہوتے نا تو ہزاروں تشبیہیں

دے ڈالتے وہ ہنسی۔

پتا نہیں کہاں کہاں سے تشبیہ ڈھونڈ لاتے ہیں ایسی عجیب جو کبھی نہیں سنی تھیں۔

ہاں! میں چونکی اور میں نے اس کے چہرے پر کھلتے گلابوں کو اور اس کی آنکھوں میں دمکتے رنگوں کو دیکھا اور ابھی جب اسے پتا چلا کہ صاحبزادہ صاحب............تو پھر گالوں کے یہ گلاب مرجھا جائیں گے اور آنکھوں کے رنگ مر جائیں گے۔

اور سراج الدولہ بہادر۔

ان سے میں معذرت کر لوں گی کہ کچھ بھی میرے اختیار میں نہیں تھا۔

مرد ہو کر ان میں جرائت نہیں کہ وہ بابا جان سے بات کریں تو میں پھر عورت ہوں۔

تمہارے اختیار میں ہے نواز یست! اگر تم چاہو تو لیکن تم خود غرض ہو

سیلفش۔

میرے اندر سے سرگوشی ابھری۔

ہاں چونکہ تم بھی سراج الدولہ سے محبت کرتی ہو اس لئے تم چاہتیں ہی نہیں کہ وہ دونوں ایک ہوں کیسی سخی ہو تم اور وہ جو صاحبزادہ سراج تمہیں سمندر دل سمجھتے ہیں تو تمہارا دل تو ایک نالے سے بھی زیادہ تنگ ہے گندے اور مٹیالے پانی والا تنگ نالا۔

بس اتنی ہی محبت تھی تمہیں سراج بہادر سے یہی دعویٰ تھا۔

ارے نواز یست! محبت کرنے والے تو خود غرض نہیں ہوتے۔

میرے اندر درد کی لہریں سی اٹھنے لگیں اور دل کا پیالہ ان دیکھے آنسوؤں سے بھرنے لگا لیکن میں نے ہونٹوں کو پھیلایا۔

اور شادی کے بعد وہ تمہارے چرنوں میں بیٹھے تمہارے سامنے تشبیہوں کے ڈھیر لگاتے جائیں گے اور تم۔

کیاایسا ممکن ہے کیا آپ کو یقین ہے کبھی۔
خوشی اور مسرت سے اس کی آواز کانپنے لگی۔
ہاں تم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو پھر بھلا اس میں ناممکن بات کیا ہے۔
لیکن پتانہیں کیوں کبھی کبھی مجھے لگتا ہے جیسے جیسے میں بھی پھپھو آنٹی کی طرح انہیں کھودوں گی۔

اس کی آواز دھیمی ہو گئی اور آنکھیں سرمئی سرمئی لگنے لگیں۔
جیسے نواجی! ہم کبھی نہیں مل پائیں گے، جیسے یہ سب خواب ہو، ایسا خواب جس کی کبھی کوئی تعبیر نہیں ہوتی۔
اس نے سر جھکالیا لیکن میں نے دیکھ لیا تھا، نیلے سمندر میں طغیانی آ گئی تھی میں نے آہستگی سے اس کا ہاتھ دبایا۔
میں ہوں نا۔ جانو! تم کیوں فکر کرتی ہو سب ٹھیک ہو جائے گا۔

عشق کا عین

یہ کہانی عشق کے موضوع پر ایک یادگار تحریر ہے ۔
الٰہی بخش کو پہلی نظر میں عشق ہوا تو یہ کوئی حیرت کی
بات نہیں اسکا خمیر ہی عشق کی مٹی سے اٹھا تھا ۔
محبت پہلی نظر میں اور وہ بھی ایک ایسی لڑکی سے
جسکا وہ کسی طرح ہمسر نہیں ۔

تنگ نالہ پھر سمندر بن گیا تھا میں نے اس کی ٹھوڑی کے نیچے انگلی رکھ کر اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔

چلو ہنسو اب.........نہیں تو میں گدگدی کروں گی۔ وہ بے اختیار ہنس دی اور اس نے جھک کر میرے ہاتھ چوم لیے۔

آپ بہت اچھی ہیں نوا جی! اور وہ شخص بڑا خوش نصیب جس کا مقدر آپ ہیں۔

اور وہ شخص کتنا خوش نصیب ہو گا جسے ہماری ثانو جیسی پیاری سی محبت کرنے والی لڑکی ملے گی اور اب تم اسے سوچو، میں تمہارے لئے چائے بنواؤں۔

میں اس کے رخسار تھپتھپا کر باہر آ گئی۔ وہ وہیں بیٹھے بیٹھے کہیں کھوگئی تھی شاید آنے والی کسی خوشی کے تصور میں۔

کچن کی جاتے ہوئے مجھے سراج ملے نک سک سے درست بنے

سنورے سجے سجائے ہاتھ میں کی رنگ گھماتے وہ کہیں جارہے تھے مجھے دیکھ کررک گئے حسبِ معمول رٹا رٹایا جملہ۔

کیسی ہیں آپ۔

فائن اور یہ آپ کہاں جارہے ہیں۔

کہیں نہیں۔لمحہ بھر کو وہ سٹپٹا گئے۔

ایک دوست کی طرف۔

اوراگر وہ دوست یہاں ہی ہو، میں شوخی سے مسکرائی۔

کیا ثنا آئی ہوئی ہے۔

بے اختیار ان کے لبوں سے نکلا لیکن پھر فوراً ہی نادم سا ہو کر انہوں نے سر جھکا لیا پیشانی پر سے ننھے ننھے پسینے کے قطرے اُمڈ آئے۔

جی میرے کمرے میں اور غالباً اس وقت آپ ہی کے تصور میں کھوئی ہوئی ہے۔

پہلی بار میں نے یوں ڈائریکٹ اس حوالے سے بات کی۔

آپ..........آپ نوا۔!؟

انہوں نے حیرت سے مجھے دیکھا اور کچھ کہتے کہتے رک گئے۔

حقائق کو قبول کرلینا چاہیے صاحبزادہ صاحب۔

میں انہیں وہیں حیران کھڑا چھوڑ کر کچن کی طرف بڑھ گئی اور جب بیبی
تاج کو چائے اور لوازمات کی ہدایات دے کر باہر آئی تو سراج میرے
کمرے میں جا چکے تھے میں اپنے کمرے کی طرف جاتے جاتے
پلٹ آئی اندر سے ثنا کے اور سراج کے ہنسنے کی آواز آرہی تھی۔

میں چکر کاٹ کر پچھلے لان میں آگئی اور مصنوعی پہاڑی کے ساتھ ٹیک
لگا کر بیٹھے ہوئے میں نے سوچا۔

میرے پاس زیادہ سے زیادہ ایک ماہ ہے اور اس ایک ماہ میں ہاں اس
ایک ماہ میں مجھے کچھ نہ کچھ کرنا ہے آج یا کل ان ہی دنوں میں می

جی سے کہہ دوں گی بس۔

میں نے فیصلہ کرلیا۔

اور میرا دل کٹ کر گرنے لگا۔

سو اس سارے غصے کا انجام بالآخر یہ ہی ہونا تھا کہ۔

صاحبزادہ سراج اور ثنا مبین۔

ایک سورج اور دوسرا چاند۔

اور نوازیست! محض ایک رکاوٹ ایک زنجیر، بوجھل اور بھاری جسے بہر حال کٹنا ہی ہے۔

آنسوؤں نے دل کے سمندر میں ہلچل سی مچا دی اور اس سے قبل کہ یہ پانی کناروں تک آتا آغا بھائی مجھے ڈھونڈتے ہوئے آ گئے۔

کمال ہے نوی! تم یہاں چھپی بیٹھی ہو اور۔

وہ قریب ہی گھاس پر بیٹھ گئے۔

یہ سب کیا ہے نویٰ!

کیا؟ میں نے انجان بن کر پوچھا۔

یہ سب تمہارے کمرے میں ثنا مبین اور سراج الدولہ بہادر تم یہاں۔

میں چائے بنوانے کے لئے آئی تھی تو ادھر آ گئی۔

کیوں؟

بس یونہی گھبراہٹ ہو رہی تھی۔

یہ گھبراہٹ بلاوجہ تو نہیں ہو سکتی۔

آغا بھائی نے بے انتہا سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

نوی! یہ سب ٹھیک نہیں ہے۔ جو کچھ تم کر رہی ہو یہ سب ٹھیک نہیں ہے

بجائے اس کے کہ تم سراج الدولہ بہادر کو منع کرتیں روکتیں تم الٹا انہیں

موقع دے رہی ہو۔

ثنا جو آتی ہے مجھ سے ملنے۔

تم سے یا سراج سے۔؟

مجھ سے سراج تو کبھی کبھار اتفاق سے آجاتے ہیں تو۔

تو تم انہیں۔

وہ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔

آغا بھائی! میں نے سوچا آغا بھائی می جی سے بات کر سکتے ہیں۔

تو تم جانتی ہو یہ محبت ایک دوسرے کو کیا دے سکتی ہے جب کہ سراج کا

نکاح تم سے ہو چکا ہے اور ایک یا ڈیڑھ ماہ تک۔

آپ اس سلسلے میں ہماری مدد کر سکتے ہیں۔

میں نے انہیں ٹوک دیا۔

آپ بات کریں نامی جی سے انہیں بتائیں کے مجھے سراج سے شادی

نہیں کرنی اور یہ کہ۔

ہر گز نہیں۔ وہ کھڑے ہو گئے۔

میں ایسی کسی حماقت میں تمہارا ساتھ نہیں دوں گا۔

یہ حماقت نہیں ہے آغا بھائی۔

میں بھی کھڑی ہو گئی۔

پلیز آپ سمجھیں نا۔ سراج ثنا سے محبت کرتے ہیں اور ثنا بھی اور وہ مر جائیں گے۔

کچھ نہیں ہوتا شادی کے بعد سب ٹھیک ہو جائے گا بیوی جیسی بھی ہو مرد اسی سے محبت کرنے لگتا ہے اور تم ....تم تو کیا کمی تھی تم میں خوبصورت ہو خوش اخلاق ہو سلیقہ شعار۔

ان کی آواز بھیگ گئی۔

دراصل ثنا چیز ہی ایسی ہے کہ سراج کی جگہ میں ہوتی تو میں بھی اس پر عاشق ہو چکی ہوتی۔

میں زبردستی ہنسی، اندر طغیانیاں تھیں اور آنکھوں پر بند باندھ رکھے

تھے۔

بلکہ میں تو اب بھی اس پر عاشق ہوں۔

فضول باتیں مت کرو گڑیا۔! اور مجھ سے یہ توقع مت رکھو کہ میں تمہاری ایسی کسی حماقت میں تمہارا ساتھ دوں گا۔

وہ سخت ناراض لگ رہے تھے میں خاموش ہو گئی مجھے یقین تھا کہ انہیں قائل کر لوں گی لیکن فی الحال وہ غصے میں تھے سو میں نے ان کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

اچھا چلیں ہمارے ساتھ چل کر چائے پی لیں۔ تاج بی بی سب تیار کر چکی ہو گی۔

میں چائے نہیں پیوں گا، گھر جا رہا ہوں۔

وہ بدستور ناراض لگ رہے تھے۔

لیکن میں زبردستی انہیں ساتھ لے آئی جاتے جاتے میں نے کچن میں

جھانکا بی بی تاج ٹرالی میں سب سامان رکھ رہی تھی۔

ایک کپ زیادہ رکھنا۔ آغا بھائی بھی ہیں۔

اسے ہدایت دے کر میں آغا کے ساتھ اپنے کمرے میں آ گئی۔

سراج کے ہاتھ میں شاعری کی کوئی کتاب تھی غالباً محسن نقوی کا کوئی مجموعہ جو انہوں نے میرے شلف سے اٹھایا تھا اور وہ اسے شعر سنا رہے تھے دونوں کے چہرے پر رنگ ہی رنگ تھے اور آنکھوں میں جگنوں دمک رہے تھے ہواؤں پر مدھم مدھم مسکراہٹوں کا اجالا تھا۔

آغا بھائی کا موڈ سخت آف تھا انہوں نے چائے کے دوران سراج الدولہ کو اپنے طنز کے تیروں کا نشانہ بنائے رکھا یہ لطیف طنز سراج سمجھ رہے تھے اور ان کی پیشانی بار بار عرق آلود ہو جاتی وہ مضطرب انداز میں اپنی انگلیاں مروڑ رہے تھے اور پیشانی سے پسینے کے قطرے صاف کرتے رہے میں اندر ہی اندر نادم ہوتی رہی خواہ مخواہ آغا بھائی

سے میں نے بات کی وہ تو بھائی بن کر ہی سوچیں گے اور سراج کو موردِ الزام ٹھہرائیں گے۔

چائے پی کر آغا بھائی اٹھ گئے اور ان کے جاتے ہی ثنا بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

سراج اور میں اسے رخصت کرنے پورچ تک آئے۔

ٹیک کیئر ثانی۔ کار کی کھڑکی پر جھکتے ہوئے سراج نے آہستگی سے کہا۔

احتیاط سے ڈرائیو کرنا۔ بہت فاسٹ ڈرائیونگ کرتی ہو تم اور اپنا خیال رکھنا۔

تھینک یو۔ جواباً وہ مسکرائی۔

آپ بھی اپنا خیال رکھیے گا۔

اور میرے اندر یہاں سے وہاں تک ایک آگ سی دہک اٹھی۔

اللہ کرے ثنا مبین کی گاڑی کو کوئی خوفناک حادثہ پیش آجائے۔

ایسا حادثہ جس میں ثنامبین نہ بچ سکے۔

اور یہ ساحر آنکھیں۔

جنہوں نے سراج الدولہ بہادر کو اسیر کر رکھا ہے۔

یہ دلکش سراپا۔

قاتل ہونٹ۔

یہ حسن دلربا سب تہہ خاک چھپ جائے، دل کے اندر سے کہیں آواز اٹھی تھی اور میں نے چونک کر سراج کی طرف دیکھا وہ بے دھیان سے کھڑے وہاں دیکھ رہے تھے جہاں کچھ دیر پہلے ثنا کی گاڑی کھڑی تھی میں اپنی سوچ میں کمینگی پر سرتا پا غرق آلودہ ہوگئی اور ایک گہرا درد میرے دل کو چھیلنے لگا۔

اور ثنامبین تم نے مجھے دو ٹکڑے کر دیا ہے۔

میرے وجود کا ایک حصہ وہ تھا جو ثنا اور سراج سے محبت کرتا تھا پور پور

ان کی محبتوں میں ڈوبا بے غرض اور بے لوث محبت۔

ایسی محبت جو سب کچھ قربان کر دینے کا حوصلہ رکھتی ہے۔

اور دوسرا حصہ وہ تھا۔

جو سرتا پا صرف اور صرف نوائے زیست تھی۔

بچپن سے سراج الدولہ بہادر کی محبت میں رنگی نوائے زیست اپنی محبت میں خودغرض اور ظالم۔

میں تو دو دھاری تلواروں کی زد میں تھی اور کٹ رہی تھی کبھی تو میں سمندر بن جاتی اور کبھی کوڑے کرکٹ سے اٹا تنگ نالہ۔

او جانے یہ اذیتوں کا سفر کب ختم ہو گا۔

آغا بھائی سے کوئی توقع نہ تھی۔ سراج میں اتنی جرائت نہ تھی اب خود مجھے ہی ہمت کرنا تھی۔

☆☆☆

اور ابھی میں اپنے حوصلوں کو یکجا کر رہی تھی کہ ثنا آ گئی۔

وہ چھ سات دن بعد آئی تھی آتے ہی اس نے اپنا پرس میرے بیڈ پر پھینکا دوپٹے کا گولا سا بنا کر صوفے پر اچھال دیا اور خود بیڈ پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔

اور سنائیں نوا جی! پھپھو آنٹی بتا رہی تھیں کہ آپ نے جاب چھوڑ دی ہے۔

چھوڑنا ہی تھی می جی نے تو صرف ایک ماہ کی اجازت دی تھی میں نے پھر اتنے مہینے لگا دیئے۔

ظاہر ہے۔اب تو کسی اور کی ہی جاب کرنا ہے۔

اس کی آنکھوں میں شریری چمک تھی۔

اور یہ آپ ہمیں جیجا جی سے کب ملوا رہی ہیں

باہر بچے کے رونے کی آواز آئی اور ساتھ ہی آغا بھائی کی۔

آغا بھائی ہیں میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

تم بیٹھو ثنی ایک منٹ میں ذرا آغا بھائی سے مل آؤں۔

اس روز کے بعد سے میری ان سے ملاقات ہی نہیں ہوئی تھی حالانکہ ہفتے میں وہ دو تین چکر ضرور لگاتے تھے انہیں می جی اور می جی کو ان سے بہت محبت تھی ان چھ سات دنوں میں شاید وہ ایک ہی بار آئے تھے اور می جی کو ہی مل کر چلے گئے تھے شاید مجھ سے خفا تھے۔

آغا بھائی! اکیلے نہیں آئے تھے بھابھی اور اسفی بھی ساتھ تھا میں نے اسفی کو گود میں لے لیا اور اسفی کو گدگدی کرتے ہوئے آغا بھائی سے پوچھا۔

لگتا ہے آپ مجھ سے خفا ہیں۔

لگتا نہیں سچ مچ ہیں بھابھی ہنسیں۔

اور یہ کیا حماقت ہے؟ انہوں نے سرگوشی کی۔

بھلا یوں بھی کوئی کرتا ہے پاگل۔

میں نے گھبرا کر می جی کی طرف دیکھا جو آغا بھائی سے محوِ گفتگو تھیں اور ان کی عادت تھی کہ کسی سے باتوں میں مصروف ہوتیں تو انہیں ارد گرد کی باتوں کا دھیان نہیں ہوتا تھا۔

چلیں بھابھی! میرے کمرے میں ثناوہاں اکیلی بور ہو رہی ہو گی۔

یہ محترمہ سارا وقت یہاں ہی براجمان رہتی ہیں۔ می جی سے باتیں کرنے کے باوجود آغا بھائی کا دھیان ادھر ہی تھا۔

ہیں کون؟ می جی چونکیں۔

ثنا مبین! آغا بھائی نے برا سا منہ بنایا۔

بڑی پیاری بچی ہے بہت اخلاق اور محبت والی می جی نے محبت سے کہا۔

انہیں مشورہ دینا پارو! کہ کبھی کچھ وقت گھر پر بھی رہا کریں۔ یوں

دوسروں کے گھروں پر قبضہ نہیں جمایا کرتے۔

وہ اپنی بیوی کو مشورہ دے کر پھر می جی کی طرف متوجہ ہو گئے اور میں

زیرلب مسکراتے ہوئے اسفی کو گود میں لیے بھابھی کو ساتھ لے کر

اپنے کمرے میں آ گئی۔

اللہ؟ اس نے پلنگ سے چھلانگ لگاتے ہوئے اسفی کو اچک لیا۔

کتنا پیارا بچہ ہے کتنا کیوٹ۔

یہ ادھر بچے کی اماں جان بھی ہیں۔ آغا بھائی کی وائف۔

میں نے تعارف کروایا۔

آغا بھائی کو تو تم جانتی ہو نا۔

سر ہلاتے ہوئے اس نے اسفی کے رخساروں پر بوسہ دیا۔

آپ کا بچہ بہت پیارا کتنا کیوٹ ہے. جی چاہتا ہے اسے میں لے

لوں۔

دوسروں کی چیزوں پر نظر نہیں رکھتے اچھی لڑکی۔

بھابھی نے جو اس کے حسن کے سحر میں کھوئی ہوئی تھیں چونک کر لطیف سا طنز کیا جس کی کاٹ میں نے اپنے دل میں محسوس کی۔

ہاں اللہ تمہیں اپنے بچے دے گا۔

میں نے اس طنز کے اثر کو زائل کرنے کی کوشش کی حالانکہ ثنا کو خبر ہی نہ تھی کہ بات کا اصل مطلب کیا ہے۔

اور تمہارے بچے نہ جانے کتنے حسین ہوں گے تم خود اتنی حسین دلکش ہو تو وہ کیا چیز ہوں گے۔

میں بھابھی کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بیٹھ گئی اور اس کی آنکھیں یک دم لو دے اٹھیں رخساروں پر شفق پھوٹ پڑی۔

اور آپ کے بچے بھی تو بہت پیارے ہوں گے آپ کی طرح۔

اس نے اسفی کے گرد بازو لپیٹے جھکی جھکی نظروں سے کہا۔

ضروری تو نہیں۔

کیوں؟ اس کی آنکھوں میں شرارت کوندی اور اس نے اسفی کو بیڈ پر بٹھاتے ہوئے میری طرف دیکھا۔

کیا آپ کے وہ بہت بدصورت ہیں۔

میں نے اس کا جواب دینے کے بجائے اسفی کو گود میں اٹھالیا اور اس سے باتیں کرنے لگی تو وہ پارو بھابھی کی طرف متوجہ ہوگئی۔

یہ تو ان سے ملواتی ہی نہیں ہیں۔ آپ ہی کسی دن ہماری ملاقات کروا دیجئے نا پچی بھابھی! بہت شوق ہے مجھے اپنے جیجا جی سے ملنے کا۔

وہ بہت شوخ ہورہی تھی۔

ارے تمہیں نہیں ملوایا اس نے کبھی سراج سے۔

بھابھی نے بظاہر انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

سراج؟ اس کی آنکھوں میں یک دم حیرت سی اتر آئی۔

ہاں ہاں۔ میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں انہیں منع کیا لیکن انہوں نے میرے اشارے کو قطعاً نظر انداز کر دیا۔

نوا کا نکاح صاحبزادہ سراج سے ان کے یورپ جانے سے پہلے ہی ہو گیا تھا۔

نہیں۔ اس کی آواز میں ٹوٹے ہوئے کانچ کی چبھن تھی۔

اس کا رنگ خطرناک حد تک زرد ہو گیا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ بیٹھتی چلی گئی یوں جیسے کسی میکنزم کے ذریعے ہولے ہولے بیٹھ رہی ہو۔

کمرے میں مکمل خاموشی تھی جسے اسفی کے رونے نے توڑا پارو بھابھی اسے لے کر باہر چلی گئیں تو میں نے ڈرتے ڈرتے اسے دیکھا وہ ساکت بیٹھی تھی جیسے پتھر کی ہو گئی ہو اس کی نگاہیں سامنے دیوار پر جمی تھیں میں نے آہستہ سے ہاتھ آگے بڑھایا لیکن پھر پیچھے ہٹا لیا مجھے

خوف ہوا کہ اگر میں نے اسے چھوا تو وہ گر جائے گی اور گرتے ہی

ٹوٹ جائے گی کئی لمحے سرک گئے پھر ڈرتے ڈرتے ہیں میں نے

ہاتھ اس کے کندھے پر رکھا لیکن وہ یونہی ساکت بیٹھی رہی۔

ثنا! میں نے اسے پکارا۔

ثانی.....ٹھیک ہو جائے گا سب جلد سب ہو جائے گا ٹھیک جانی۔

میرے لبوں سے ٹوٹے پھوٹے لفظ نکلے تو اس نے ذرا سی جنبش کی اور

مجھے دیکھا اس کی دلکش آنکھیں دھواں دھواں ہو رہی تھیں اور ان میں

اتنے شکوے اتنی شکایتیں تھیں کہ میں کانپ گئی وہ بہت دیر تک یونہی

مجھے دیکھتی رہی۔

کیوں..........کیوں کیا آپ نے یہ سب؟

مجھے کیوں نہ بتایا کہ..........یہ کھیل کیوں کھیلا آپ نے میرے

ساتھ؟

اس کی آواز پھٹی پھٹی سی تھی اور لرز رہی تھی۔

نہیں ثانو! غلط نہیں سمجھو..........میری جان غلط نہیں سمجھو مجھے۔

میں رو پڑی۔

میں تو..........میں تو تم دونوں کے راستے کے کانٹے چننے کی کوشش میں تھی اور سوچ رہی تھی کہ جب راستے صاف ہو جائیں گے تو میں۔

آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا نوا جی نہیں۔ اس نے میرے ہاتھ تھام لیے۔

آپ مجھے روک دیتیں مجھے منع کر دیتیں ابتدا میں ہی مجھے سمجھا دیتیں کہ میں غلط راستوں پر جا رہی ہوں تو میں رک لیتی اپنے آپ کو سمجھا لیتی اور اب............اب جب کہ میں اتنا آگے جا چکی ہوں کہ پیچھے پلٹنے کا کوئی راستہ ہی نہیں رہا تو میں مر جاؤں گی مر جاؤں گی نوا جی

وہ بے تحاشا رونے لگی میں نے اسے یوں اپنی آغوش میں سمیٹ لیا

جیسے وہ کوئی ننھی بچی ہو۔

پلیز ثانی حوصلہ کرو۔ دیکھو میں ہونا۔ میں نے خود سے عہد کر رکھا ہے
کہ میں۔

میری خود سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیسے تسلی دوں۔

وہ روتی رہی تھوڑی دیر بعد وہ سر اٹھا کر پوچھتی۔

آپ نے ایسا کیوں کیا نوا جی!!

اس کی حالت بہت خراب ہو رہی تھی اس نے گھر جانا چاہا تو میں خود
اسے چھوڑ آئی مجھے ڈر تھا کہ اس حالت میں وہ کہیں کوئی حادثہ نہ کر
بیٹھے۔

تمہاری گاڑی بعد میں ڈرائیور لے آئے گا۔

وہ بہت بکھری ہوئی تھی میرا جی نہیں چاہ رہا تھا کہ اسے اکیلا چھوڑوں
کہیں وہ کچھ کر نہ بیٹھے مجھے خوف تھا لیکن اس نے ہاتھ جوڑ دیئے۔

پلیز مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔

لیکن۔

میں اپنے ساتھ کچھ نہیں کروں گی پرامس۔ آپ بس مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔

اس کی آنکھیں خون رنگ ہو رہی تھیں اور میں اس کی کیفیت سمجھ رہی تھی۔

اچھا میں نے آتے ہوئے پھر اسے گلے لگایا تسلی دی اس کی پیشانی چومی اور اسے یقین دلایا کہ وہ اور صاحبزادہ سراج ایک دوسرے کے لئے ہی بنے ہیں اور وہ یقین رکھے کہ سراج صرف اسی کے ہیں لیکن وہ خالی خالی آنکھوں سے مجھے دیکھتی رہی۔

اس کا درد دل میں لیے میں گھر لوٹی تو می جی اپنے زیورات کے ڈبے کھولے بیٹھی تھیں۔

نوا! یہ زیور دیکھ لو تم پرانے ڈیزائن ہیں لیکن ان کا اپنا حسن ہے اس
میں سے جو تمہیں پسند ہو وہ اجلوا لیں گے زیور تو خیر ایک دو روز میں
بن کر آ ہی جائے گا اور یہ ست لڑا۔
تمہاری دادی جی نے مجھے رونمائی میں دیا تھا یہ تو بہر حال تمہیں ہی دینا
ہے کوئی بیٹا ہوتا تو اصولاً اس کی بیوی کو جانا تھا۔
انہوں نے ہار دکھایا۔

دیکھو تو کتنی نفاست سے بنا ہے ہندو جوہری ہوا کرتا تھا یہاں رام لعل
ہمارے سب زیور وہی بناتا تھا کیا نفاست تھی اس کے ہاتھ میں۔
می جی! مجھے شادی نہیں کرنا۔
میں نے ہاتھ سے ہار پرے کر دیا۔
باؤلی ہو گئی ہو کیا جو منہ میں آتا ہے بک دیتی ہو۔
نہیں می جی! میں سنجیدہ ہوں۔

اور پھر گھر میں بھونچال آ گیا۔

می جی خوب خوب چلائیں روئیں مجھے ڈانٹا ڈپٹا لیکن میرا فیصلہ اٹل تھا۔

پھپھو جی حیران تھیں ان کا چہرہ بجھ سا گیا تھا۔

صاحبزادہ سراج چھپے چھپے پھرتے۔

اور میں نے خود کو کمرے میں بند کر لیا تھا کبھی کبھی کمرے سے نکلتی تو

سیدھی ثنا کی طرف جاتی۔

اس کی حالت خراب تھی۔

میرے لاکھ سمجھانے کے باوجود سنبھل ہی نہیں رہی تھی۔

پھپھو آنٹی حیران تھیں کہ یکا یک اسے کیا ہو گیا ہے۔

اس کے پاپا پریشان تھے میں جاتی تو وہ میرے ہاتھ تھام لیتی۔

آپ نے مجھے مار دیا نوا جی! کیسی سخی ہیں آپ آپ کی کشادہ دلی نے

مجھے قتل کر دیا۔ کیوں کیا آپ نے ایسا؟

کیسے جی پاؤں گی میں اور صاحبزادہ صاحب انہوں نے بھی نہیں بتایا محبت میں آدمی خود غرض ہو جاتا ہے ناثانو۔ میں اسے پیار کرتی۔

میں نے شادی سے انکار کر دیا ہے ثنی اور طلاق مانگی ہے۔

کیوں کر رہی ہیں ایسا آپ؟

پتا نہیں۔

آپ صاحبزادہ صاحب سے محبت کرتی ہیں نانوا جی؟ وہ پوچھتی تو میں نگاہیں چرا لیتی۔

میں نے کبھی ان کے متعلق اس طرح نہیں سوچا، والدین نے نکاح کر دیا تو ٹھیک کسی اور سے ہو جاتا تب بھی ٹھیک تھا۔

نکاح کے بعد تو سوچا ہو گا ایسا اور پھر محبت ہو گئی ہو گی۔

پتا نہیں۔

نہیں آپ غلط کہتی ہیں محبت میں ہی آدمی اتنی بڑی قربانی دے سکتا ہے نہیں میں آپ کی محبت کی قربانی لے کر خوش نہیں رہ سکوں گی پلیز مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں میں ٹھیک ہو جاؤں گی.......... ابھی صدمہ تازہ ہے ناں ہولے ہولے بہل جاؤں گی پھپھو آنٹی بھی تو ہیں نا جی رہی ہیں نا۔ میجر اظفر کے بغیر۔

گزار رہی ہیں نا زندگی۔ میں بھی گزار لوں گی بس آپ ان کا بہت خیال رکھنا تا کہ میں انہیں کبھی یاد نہ آؤں۔ وہ کہتے تھے کہ شوتم نہیں ہو گی تو زندگی بالکل بے رنگ اور پھیکی ہو جائے گی کائنات کے رنگ تو تمہاری وجہ سے اتنے خوبصورت لگتے ہیں۔

وہ بلا سوچے سمجھے بولے چلی جاتی۔ ذہنی طور پر وہ صحیح نہیں تھی مجھے اس پر اور بھی پیار آتا۔

میں ہر دوسرے روز اس کی طرف جاتی۔

جانے سراج بھی جاتے تھے یا نہیں لیکن وہ ہولے ہولے سنبھل رہی تھی ادھر گھر میں جان لیوا خاموشی تھی۔

☆☆☆

پھر ایک دن بابا جان کے حضور میری طلبی ہوگئی۔

وہ وجہ جاننا چاہتے تھے لمحہ بھر کے لئے میں نے سوچا جھوٹ بولنا بے فائدہ تھا میں نے سچ بتا دیا۔

سراج ثنا سے محبت کرتے ہیں اور ثنا بھی۔

زبردستی کے بندھن پائیدار نہیں ہوتے بابا جان دل کی مرضی شامل نہ ہو تو زندگی بے رنگ ہو جاتی ہے۔

اور تم؟ بابا جان کی سوالیہ نظریں میری طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

انہوں نے ہمیشہ میرے ساتھ دوستوں جیسا رویہ رکھا تھا اور اب بھی وہ دوستوں کی طرح ہی میری جواب طلبی کر رہے تھے۔

میں نے سراج کے متعلق اس طرح کبھی نہیں سوچا تھا۔

میں نے دل کڑا کر کے نگاہیں جھکائے جھکائے کہا۔

می جی کی خواہش تھی وہ ہمیشہ مجھے اپنے قریب رکھنا چاہتی تھیں مجھے کوئی اعتراض نہ تھا سراج کی جگہ کوئی اور بھی ہوتا تو بھی مجھے کیا اعتراض تھا اور اب جب کہ سراج۔

بابا جان کچھ دیر کھوجتی نظروں سے مجھے دیکھتے رہے۔

ٹھیک ہے تم جاؤ۔

انہوں نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

اور پھر میری اور سراج الدولہ کی شادی ملتوی ہوگئی بابا جان کچھ سوچ رہے تھے فی الحال انہوں نے سراج سے کوئی بات نہیں کی تھی تاہم مجھے یقین تھا کہ بالآخر فیصلہ وہی ہوگا جو میں چاہتی ہوں فی الحال بابا جان فیصلہ کرنے کے کرب سے گزر رہے تھے میں جانتی تھی کہ یہ سب

اتنا آسان نہیں ہے تاہم بہت بڑا اور اہم کام ہو گیا تھا اور اب بس۔

می جی مجھ سے خفا تھیں تو پھپھو جی سراج سے۔ خود سراج سارا دن غائب رہتے اور رات کو آ کر چپکے سے اپنے کمرے میں گھس جاتے۔

اور میں بھی۔

جو بظاہر مطمئن تھی۔

می جی کے پاس جا کر بیٹھتی بی بی تاج سے زبردستی بات کرتی۔ پھپھو جی کے پاس جا کر پہلے کی طرح سراج کے چھوٹے چھوٹے کام کرتی۔ ان کے دھلے کپڑے ان کے وارڈروب میں رکھنا اپنی نگرانی میں ان کا کمرہ صاف کروانا وغیرہ وغیرہ۔

لیکن اندر سے کھو دینے کا کرب میرے وجود کو کاٹتا میں راتوں کو چپکے چپکے روتی۔ سراج کو خوشی دینے کا جذبہ اپنی جگہ محکم تھا تو انہیں کھو دینے کا دکھ بھی کم شدید نہیں تھا۔

آغا بھائی مجھ سے بہت زیادہ خفا تھے لہٰذا وہ می.جی سے مل کر چلے جاتے میرا جی گھبراتا تو میں اٹھ کرشنا کی طرف چلی جاتی وہ بہت حد تک سنبھل گئی تھی لیکن اس کی لودیتی آنکھیں اب سرمئی سرمئی لگنے لگی تھیں جیسے بجھی چنگاریاں پھر سرمئی شاموں کی اداسی۔

کبھی کبھی وہ میرا ہاتھ تھام لیتی۔

آپ کیوں ایسا کر رہی ہیں نوا.جی مت کریں ایسا۔ وہ ملتجی نظروں سے مجھے دیکھتی اور میں موضوع بدل کر کوئی اور بات کرنے لگتی۔

ایک روز میں گئی تو وہ بہت خوش لگ رہی تھی۔

رخساروں پر شفق پھوٹ رہی تھی اور آنکھوں میں وہی پرانی چمک تھی۔

آج صاحبزادہ صاحب آئے تھے اس نے مجھے بتایا۔

اور ہم نے بہت دیر تک باتیں کیں، اپنی کم آپ کی زیادہ آپ تو سچ مچ دیوی ہیں نوا.جی۔

وہ اٹھ کر میرے قدموں میں آ بیٹھی۔

جی چاہتا ہے ساری زندگی آپ کے چرنوں میں بیٹھی رہوں نوا جی آپ

اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر آنکھوں سے لگالیا اور وہ گرم گرم آنسوؤں سے

بھیگ گیا۔

پگلی۔ میں نے بازو سے پکڑ کر اسے اٹھایا اور گلے سے لگالیا۔

اسے کیا خبر کہ میں دیوی نہیں ایک انسان سے بھی کمتر تھی کیسے کیسے

خیال میرے دل میں آتے ہیں اور کیسے راتوں کو جاگ کر روتی ہوں

اور اسے کوستی ہوں۔

نوا جی! میں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں کیا کروں آپ کے

لئے اپنا دل اپنے سینے سے نوچ کر آپ کے قدموں میں دان کر دوں

آپ کی طرف دیکھتی ہوں تو آپ بہت بلندی پر کھڑی نظر آتی ہیں نوا

جی نوا جی! کیوں کر رہی ہیں آپ ایسا۔

تم کچھ بھی مت کرو جانو۔ بس خوش رہو اور جلدی سے پہلے جیسی ہو جاؤ

جانتی ہو نا سراج کتنے پریشان ہیں تمہارے لئے۔

ہاں.........ان کے لئے.........ان کی خاطر ہی تو۔ وہ اٹھ

کھڑی ہوئی اور کمرے میں ادھر اُدھر ٹہلنے لگی۔

میں.........جانتی ہوں مجھے خبر ہے کہ آپ بھی.........آپ بھی

محبت کرتی ہیں صاحبزادہ سراج سے اور۔

ٹہلتے ٹہلتے کسی خیال نے جیسے اسے چونکا دیا میرے پاس آ کر بیٹھ گئی

اور اس کی آنکھوں میں نیلے کانچ چمکنے لگے تھے۔

نوا جی! کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ صاحبزادہ صاحب مجھے بھی اپنا لیں اور

آپ کو بھی نہ چھوڑیں اس نے میرے ہاتھ تھام لیے۔

نوا جی! پلیز ہم دونوں ہمیشہ اکٹھے رہیں گے محبت سے۔

پاگل ہو تم بالکل ثنا۔

میں نے اپنے ہاتھ چھیڑا لیے۔

چلو اچھی سی چائے پلواؤ اپنے ہاتھ سے بنا کر اور فضول خیالات سے اپنے آپ کو مت تھکاؤ۔

☆☆☆

اس روز جب میں واپس آئی تو بے حد تھکن ہو رہی تھی وجود جیسے کسی نے شکنجے میں کس رکھا تھا میں اپنے کمرے میں جانے کے بجائے لان میں چلی آئی اور اپنی مخصوص جگہ پر مصنوعی پہاڑی کے عقب میں آ کر بیٹھ گئی پھر کتنی دیر گزر گئی یوں ہی خالی الذہن سی بیٹھی رہی ذہن کی سلیٹ بالکل صاف تھی پھر صاحبزادہ سراج بھی ادھر ہی آ گئے سر جھکائے ہوئے کچھ سوچتے ہوئے یہ ان کی بھی پسندیدہ جگہ تھی وہ اکثر یہاں صبح صبح مطالعہ کرتے تھے مجھے دیکھ کر چونکے۔

آپ یہاں ہیں نوا؟

جی۔

کیا سوچ رہی ہیں؟

وہ قریب ہی بیٹھ گئے۔

کچھ نہیں۔

نوا.........لمحہ بھر خاموش رہ کر انہوں نے آہستگی سے کہا۔

آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا نوا میں بہت گلٹی فیل کرتا ہوں۔

کسی نہ کسی کو تو کچھ کرنا ہی تھا، آپ خاموش تھے سو میں نے۔

میں بہت شرمندہ ہوں۔

انہوں نے پاکٹ سے سگریٹ نکال کر سلگایا تو ان کی انگلیوں میں ہلکی سی لرزش تھی بخدا میں نے ایسا کبھی نہیں چاہا تھا کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میں کبھی.........اور یہ سب کچھ خود بخود ہوتا چلا گیا پتا نہیں کب کیسے وہ دل کے اتنے قریب چلی آئی اور..........

میرا دل پانی ہو کر بہنے لگا۔

میں نے بھی کیا کیا خواب دیکھے تھے۔

میں اور سراج الدولہ بہادر۔

تیری رفاقت کے خواب تعبیر کی طلب میں

بچھڑتے لمحوں کے منظروں کی مسافتوں میں

خزاں رتوں کے غبار میں دھول ہو چکے ہیں۔

اور کیا میں سراج الدولہ بہادر کے بغیر خوش رہ سکوں گی رہ پاؤں گی۔

اور جینا کس قدر مشکل ہو گا۔

ایک امتحان۔

اور اصل امتحان تو تب شروع ہو گا جب سراج اور رشنا۔

ایک ہو جائیں گے تب۔

خوشی کے سارے جمیل لمحے۔

دکھوں کی بے مہر زردرت کی۔

لپیٹ میں کب کے آچکے ہیں۔

سراج الدولہ اٹھ کھڑے ہوئے لیکن میں وہی بیٹھی رہی حتیٰ کہ پہاڑی کے سرخ اور سبز پتھر سیاہ ہو گئے اور بی بی تاج مجھے پکارتی ہوئی ادھر آ گئی

ارے بیٹیا۔تم ادھر بیٹھی ہو اور کھانے پر سب انتظار کر رہے ہیں کتنی دفعہ کہا ہے کہ اندھیرے میں مت بیٹھا کرو یہاں گھاس پھوس میں کیڑے مکوڑے اور موذی چھپے ہوتے ہیں۔

اور کیا ہی اچھا ہو کہ گھاس میں چھپا کوئی ننھا سا سانپ آئے اور پھر زندگی ختم ہو جائے۔..........

میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

ڈائینگ ہال میں خاموشی تھی میں پھپھو.جی کے قریب والی کرسی پر جا کر بیٹھ گئی بی بی تاج نے گرم گرم پھلکے لا کر رکھے می.جی نے خاموشی سے

ڈونگا اپنی طرف کھسکا یا بہت دنوں بعد آج وہ سب کے ساتھ کھانا
کھانے بیٹھی تھیں لیکن انہوں نے میری طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں
دیکھا تھا ورنہ میرے ٹیبل پر آتے ہی وہ خوشی سے بتایا کرتی تھیں۔
نوابیٹا! آج تمہاری پسند کے کوفتے پکے ہیں یا آج یہ پکا ہے۔
تو یہ دن بھی ہمارے لمحوں کو دیکھنا تھے۔
میں نے مزید سر جھکا لیا۔

بہر حال میں می جی کو تو منا ہی لوں گی، ایک بار سراج بہادر اور ثنا مبین
کی شادی ہو جائے لیکن یہ دل اس روٹھے ضدی بچے کو کیسے مناؤں گی
جو ابھی بھی سراج الدولہ بہادر کے لئے مچلے جا رہا تھا میں نے کن
اکھیوں سے سراج کی طرف دیکھا وہ سر جھکائے گویا پلیٹ میں پڑے
چمچ بھر چاولوں سے کھیل رہے تھے۔
گویا یہ صورت حال کسی کے لئے بھی آسان نہیں تھی۔

نہ میرے لئے۔

نہ سراج بہادر کے لئے اور نہ اس معصوم جادوگرنی کے لئے جو بیمار ہو کر بستر پر لیٹ گئی تھی اور الٹی سیدھی باتیں سوچ رہی تھی۔

کھانے کے بعد بابا جان نے سراج کو اپنے کمرے میں بلایا تھا۔

تو آج فیصلے کی گھڑی ہے۔

اور آج......... آج وہ تعلق وہ رشتہ ٹوٹ جائے گا اور وہ زنجیریں کٹ جائیں گی جو سراج بہادر کو کسی سمت بڑھنے سے روکتی تھیں۔

اور کیا تھا اگر یہ کاغذی رشتہ قائم رہتا۔

محض ایک تعلق بندھا رہتا۔

ہاں وہ دونوں ایک ہو جاتے پھر کیا تھا۔ میں تو.........

میری آنکھوں میں مرچیں سی لگنے لگیں میں کسی کی طرف دیکھے بغیر ڈائننگ ہال سے باہر نکل آئی اور باہر لان کی طرف اترتی سیڑھیوں پر

بیٹھ گئی اور ٹھنڈی فضا میں لمبے لمبے سانس لیے اس اتنے بڑے کھلے وسیع گھر میں یکا یک میرا دم گھٹنے لگا تھا جی چاہتا تھا کہیں باہر کھلی ہواؤں میں نکل جاؤں لمبے لمبے سانس لوں اور ہوا کی ساری خنکی اپنے اندر اتار لوں۔ عجیب آگ سی لگی تھی۔

کہیں اندر کچھ کٹ رہا تھا اور کہیں کسی گوشے میں شعلے بھڑک رہے تھے۔

کچھ دیر بعد سراج بابا جان کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے میرے قریب آ کر رکے۔

آپ پریشان ہیں نوا؟

آں نہیں تو۔.........

میں نے چونک کر انہیں دیکھا وہ بالکل میرے پیچھے کھڑے تھے اندھیرے میں ان کے ہاتھ میں جلتے سگریٹ کی چمک نظر آئی میری

آنکھیں گیلی ہوگئیں انہوں نے میرے کندے پر ہاتھ رکھا مطمئن رہیں آپ کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔

اور پھر لمبے لمبے ڈاگ بھرتے وہ بابا جان کے کمرے کی طرف چلے گئے لمحہ بھر میں یونہی ساکت بیٹھی ان کے ہاتھ کالمس اپنے کندھے پر محسوس کرتی رہی پھر چونکی۔

یہ سراج الدولہ بہادر نے ابھی کیا کہا تھا۔

نہیں یہ ظلم ہے۔

کسی بات کا ادراک ہوتے ہی میں ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

ثنا مبین کے ساتھ جس کا پور پور صاحبزادہ سراج کی محبت میں ڈوبا ہوا ہے۔

سراج کے ساتھ جو اس کی محبت کے طلسم میں جکڑے ہوئے ہیں اور پھر خود میرے ساتھ ظلم میں بھلا ایک منقسم شدہ شخص کی رفاقت میں کیا

پاؤں گی سراج الدولہ بہادر جو محبت تو شامین سے کرتے ہیں اور زندگی میری رفاقت میں گزاریں گے نہیں یہ ناممکن ہے۔

میں ان کے پیچھے ہی لپکی تاکہ انہیں روک سکوں لیکن وہ بابا جان کے کمرے میں داخل ہو چکے تھے بابا جان کمرے میں ٹہل رہے تھے میں مایوسی سے واپس پلٹی تو کھلے دروازے سے انہوں نے مجھے دیکھا اور بلا لیا۔

آپ بھی آجائیں نوا! میں آپ کو بھی بلوانے ہی لگا تھا۔

میں جھجکتی ہوئی اندر داخل ہوئی سراج نے ایک اچٹتی سی نظر مجھ پر ڈالی میری آمد پر ذرا سا حیران ہوئے اور پھر بابا جان کے اشارے پر ایک طرف بیٹھ گئے۔

سراج بیٹا۔ بابا جان پھر ٹہلنے لگے جیسے بات شروع کرنے کے لئے لفظ ڈھونڈ رہے ہوں سراج سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

نوا نے ہمیں بہت الجھن میں ڈال دیا ہے، ہماری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ

ہم کیا کریں یہ صرف اتنی سی بات نہیں ہے کہ نوا نے ایک فرمائش کی

اور ہم نے اسے پورا کر دیا ہم نے آپ کو اس لئے بلایا ہے کہ آپ

دونوں ایک بار پھر اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر لیں بات صرف اتنی سی نہیں

ہے جتنی نوا سمجھ رہی ہیں بلکہ بہت جگ ہنسائی ہو گی غیروں کی تو بات

ہی چھوڑیں خود بڑے بھائی صاحب اور چھوٹے بھائی صاحب کے

ہاں سے باتیں اٹھیں گی جب کہ بڑے بھائی صاحب خود اپنے فرزند

کے لئے نوا کے خواہش مند تھے لیکن میں نے نوا کی خواہش اور مرضی

دیکھتے ہوئے۔

میں نے سر جھکا لیا۔

وہ ایک نظر مجھے دیکھ کر تھکے تھکے سے بیڈ پر بیٹھ گئے اور پھر سراج کی

طرف دیکھا لڑکا ہونے کے ناتے تمہیں زیادہ فرق نہیں پڑے گا لوگ

نوا کو ہی موردِ الزام ٹھہرائیں گے پھر بھی۔

انہوں نے کچھ توقف کے بعد بات شروع کی۔

پھر بھی اگر یہ سب کچھ ناگزیر ہو چکا ہے تو میں چاہتا ہوں مزید تاخیر نہ ہو آج رات اچھی طرح سوچ کر صبح مجھے بتا دو تاکہ شرعی اور قانونی طور پر تمہارے اور نوا کے درمیان علیحدگی ہو جائے مجھے اپنا بزرگ مت سمجھو دوستوں کی طرح مجھ سے اپنا مسئلہ ڈسکس کرو مجھے تمہارا ہر فیصلہ قبول ہو گا۔

ماموں جان۔ سراج نے گھمبیر لہجے میں کہا۔

کچھ بھی ناگزیر نہیں ہے اور یہ تنہا نوا کا فیصلہ تھا میں اس میں شامل نہیں ہوں۔

میں نے چونک کر سراج کی طرف دیکھا ان کی پیشانی کی رگ ابھری ہوئی تھی اور وہ انگلیاں اضطراری انداز میں موڑ رہے تھے۔

اور میں ایسی کسی بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا،نوا کی ہمراہی میں زندگی کا سفر طے کرنا میری اولین خواہش ہے ہاں اگر نوا خود ایسا نہیں چاہتیں تو۔

نہیں یہ.........یہ غلط ہے۔

میں نے تڑپ کر انہیں دیکھا سراج میں کبھی اپنے دل کی بات کہنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی ہمیشہ میں نے ہی ان کی ترجمانی کی تھی اور بھی مجھے ہی ان کا مقدمہ لڑنا تھا سو میں نے دل کڑا کر بابا جان سے ان کی وکالت کی لیکن زندگی میں پہلی بار میں یہ مقدمہ ہار گئی جب مدعی ہی دعویدار نہ ہو تو وکیل کیا کر سکتا ہے انہوں نے خود ہی کوئی دعویٰ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

نوا کی ہمراہی میں زندگی کا سفر طے کرنا میری اولین خواہش ہے۔

میں ان کے کہے لفظ سوچتی تو میرے اندر گدگدی سی ہوتی۔جذبے

میرے اندر اودھم مچاتے لیکن دوسرے ہی لمحے ہر جذبے پر اوس پڑ جاتی۔

اولین خواہش تھی ہے نہیں۔

بس ایک ذرا سا فعل ناقص کے ادل بدل نے زندگی کا مفہوم ہی بدل دیا تھا۔

کیا میں سراج الدولہ بہادر کے دل کا حال نہیں جانتی تھی۔

کیا میں نے ان کی آنکھوں میں ثنا کی موجودگی میں محبتوں کے رنگ بکھرتے نہیں دیکھے تھے کیا ثنا نے خود مجھے بہت بار یہ نہیں بتایا تھا کہ صاحبزادہ سراج اسے کتنا کس قدر چاہتے ہیں پھر.........پھر سراج بہادر نے ایسا کیوں کیا۔

مشکل مرحلہ تو طے ہو گیا تھا۔

پھر.........پھر؟ یہ وہ سوال تھا جس کا جواب مجھے نہیں مل رہا تھا میں

نے ان سے بھی پوچھا۔

سراج! آپ ایسا کیوں کرر ہے ہیں۔

لیکن وہ خاموش رہے۔

کیا آپ کو اس بات سے انکار ہے کہ آپ ثنا مبین سے محبت کرتے

ہیں۔

نہیں۔

تو پھر کیا بابا جان کی محبتوں کی قیمت چکار ہے ہیں۔

نہیں.........ان محبتوں کی کوئی قیمت نہیں ہوسکتی۔وہ بے بدل ہیں

بے قیمت ہیں۔

تو پھر؟

پھر یہ کہ مجھے آپ کے دل کا حال معلوم ہے۔

انہوں نے بات ختم کر دی اور میں کتنی ہی دیر ساکت بیٹھی رہی۔

تو.........تو کیا میرے لئے۔

میرے دل کو بچانے کے لئے۔

سراج الدولہ بہادر نے اپنے دل کا خون کیا۔

اس روز میں ثنا کو گلے لگا کر بہت روئی۔

ثنا! میں ہار گئی ہوں۔ تمہارے صاحبزادہ سراج نے خود مجھے طلاق

دینے سے انکار کر دیا حالانکہ بابا جان نے۔

کیوں کیا انہوں نے ایسا اب جب کہ؟ وہ از حد حیران تھی۔

پتا نہیں۔

اصل حقیقت تو مجھے بھی نہیں معلوم تھی بس وہ ایک مختصر سا جملہ جس سے

ہزار ہا معنی نکل سکتے تھے پھر ثنا مبین صاحبزادہ سراج سے بہت لڑی۔

بہت گلے شکوے کیے لیکن وہ چپ بیٹھے سنتے رہے۔

حسب معمول ثنا مجھ سے ملنے آئی تو اس نے تفصیل بتائی۔

وہ کہتے ہیں اس کی آنکھوں میں سمندروں کی طغیانی تھی میرا دل آج بھی تمہارا ہے لیکن میں تمہیں اپنی رفاقت کی خوشی نہیں دے سکتا محبت میں وصل ضروری نہیں ہوتا کیا یہ صحیح ہے نواجی! لیکن محبوب پاس نہ ہو اس کا قرب حاصل نہ ہو تو جینے کا کیا مزہ محبت میں وصل تو ضروری ہے ناں نواجی! محبت تو جدائی میں نہیں مرتی نواجی یہ سچ ہے لیکن زندگی تو مرجاتی ہے نا۔ آپ تو کسی سے محبت نہیں کرتیں نواجی آپ نے کسی سے محبت نہیں کی اس لئے آپ نہیں سمجھ سکتیں کہ میرے اندر زندگی ہولے ہولے مر رہی ہے۔

اور میں اس کا ہاتھ تھامے بیٹھی رہی، میں اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتی تھی نہ اس کے لئے نہ سراج کے لئے نہ اپنے لئے۔

گھر میں پھر سے رونق ہو گئی تھی۔

کپڑے ایک بار پھر سے نکل آئے تھے زیورات نکالے جا رہے تھے

پھپھو جی می جی اور بی بی تاج پھر مصروف ہوگئی تھیں اور شا مبین کے رخساروں کے رنگ غائب ہو رہے تھے۔

وہ جو اس کی دودھیا رنگ میں گھلی گلابیاں دیکھ کر مجھے کانچ کے بلوریں جام سے اسٹرابیری کی آئس کریم کا رنگ جھلکتا دکھائی دیا تھا وہ رنگ جانے کہاں گم ہوتا جا رہا تھا پھر ایک روز وہ آئی تو بہت اداس تھی۔

میں آپ کی شادی میں شریک نہ ہو سکوں گی نوا جی! کتنا شوق تھا کہ آپ کی شادی کے گیت گاؤں گی اور.........

لیکن یہ بہت مشکل ہے محبت کے کتابی فلسفے میری سمجھ میں نہیں آتے میرے لئے تو محبت میں محبوب کا ملنا ضروری ہے اور اسے کسی اور کا ہوتے دیکھنا عذاب نہیں نوا جی میں برداشت نہ کر پاؤں گی میں ہالینڈ جا رہی ہوں اپنی خالہ جانی کے پاس پاپا بھی میرے ساتھ جا رہے ہیں پھپھو آنٹی ادھر رہی ہیں ہم جلد واپس آجائیں گے لیکن میں آپ سے

نہیں ملوں گی صاحبزادہ صاحب سے بھی نہیں۔

میں نے اسے گلے لگالیا اس کا دکھ میرے دل میں اتر آیا تھا میں اس عذاب سے آشنا تھی۔

آپ ان کا بہت بہت خیال رکھنا میرے حصے کی محبتیں بھی آپ ان سے کرنا انہیں میرا طعنہ کبھی نہ دینا آپ تو سمندر دل ہیں نانواجی! اپنا دل کشادہ ہی رکھنا بیوی بن کر دل کو تنگ ندی نہ بنا لینا محبت تو بڑا بے اختیار سا جذبہ ہوتا ہے نانواجی! آپ کو پتا ہی نہیں چلتا کہ کیسے کسی نے دل کے قلعے میں سیندھ لگادی اور صاحبزادہ صاحب بھی انجانے میں ہار گئے تھے ٹوٹے ہوئے چٹخے ہوئے برتن تو زیادہ سنبھال کر رکھتے ہیں نا آپ بھی انہیں سنبھال کر رکھنا۔

میں.........ثنا میں.........میں نے تو۔

ہاں۔اس کی آنکھوں سے ممنونیت اور عقیدت جھلکنے لگی۔

آپ بہت بڑی ہیں نواجی! بہت بلند بہت اوپر لیکن پتا نہیں۔ پتا نہیں۔ صاحبزادہ صاحب نے کیوں ایسا کیا.........پتا نہیں کیوں۔

اور یہ پتا نہیں کیوں ساری زندگی میرا تعاقب کرتا رہا میں کبھی نہ جان سکی کہ سراج الدولہ بہادر نے اپنے دل کا خون کیوں کیا۔

ثنا مبین کے نازک دل کو کیوں کرچی کرچی کیا۔

جب کہ ساری زندگی وہ اسے یاد کرتے رہے۔

ایک لمحہ بھی اسے نہ بھول پائے۔

میرے پاس ہوتے ہوئے بھی وہ ہمیشہ ثنا مبین کے پاس ہی رہے اور سچ تو یہ ہے کہ میں بھی ثنا مبین کو کبھی نہیں بھولی۔

☆☆☆

جس روز میری شادی تھی۔ اس روز میں اسے یاد کر کے کتنا روئی تھی۔
میڈم عروج فاطمہ نے اس کا گفٹ مجھے دیتے ہوئے کہا تھا۔
ثنا تم سے بہت پیار کرتی تھی لیکن وہ تمہاری شادی میں شریک نہیں ہو
سکی اسے ڈر تھا کہ اگر وہ تمہاری شادی میں آئی تو اس کا دل پھٹ
جائے گا۔
وہ کتنی بے تحاشہ خوبصورت تھی اور عادلہ یوسف نے کہا تھا کہ اس کا
ڈسا پانی نہیں مانگتا۔
لیکن وہ تو خود.........اسے تو خود محبت کے ناگ دیوتا نے ڈس لیا تھا
اور وہ سر تا پا نیلی ہو رہی تھی۔
پھر کچھ عرصہ بعد پتا چلا۔ عروج فاطمہ کراچی چلی گئی ہیں کیونکہ کرنل
مبین بھی کراچی سیٹل ہو گئے ہیں یہاں والا گھر انہوں نے فروخت کر
دیا تھا میں کئی بار وہاں سے گزری وہ گھر مجھے ہمیشہ بند ہی نظر آیا پتا نہیں

کن لوگوں نے خریدا تھا اور وہ وہاں کیوں نہیں رہتے تھے۔

محبت مرتی نہیں لیکن زندگی مرجاتی ہے نواجی۔

ثنا نے کہا تھا اور میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ محبت نہیں مری تھی لیکن زندگی مرگئی تھی حالانکہ میں سراج کا بہت خیال رکھتی بالکل ایسے ہی جیسے چٹخے ہوئے برتن کو سنبھال کر رکھا جاتا ہے میں نے ثنا سے وعدہ کیا تھا اس لئے کبھی میں نے ثنا یا اس کی محبت کا ذکر نہیں کیا لیکن میں نے ہتھیلی کے چھالے کی طرح ان کا خیال رکھا وہ بہت اداس ہوتے تو میں بنا کچھ کہے انہیں ثنا کی یادوں کے ساتھ اکیلا چھوڑ دیتی۔

کئی کئی دن انہیں ڈسٹرب نہ کرتی۔

ان کے قرب کے لئے جی تڑپتا تو من مار لیتی۔

پھر وہ خود ہی کومے سے باہر آتے نادم اور شرمندہ۔

تم بہت اچھی ہو۔ بہت اونچی اور بلند۔

وہ کتنی ہی دیر تک میرا ہاتھ تھامے بیٹھے رہتے۔

میں کیسی زندگی جی رہی تھی میں نے کبھی نہ سوچا۔

آغا بھائی مجھے دیکھتے اور پھر سراج کو تو انہیں تاسف ہوتا۔

تمہارا فیصلہ صحیح تھا نوی۔!

وہ ہاتھ ملتے۔

مگر جب تم نے حوصلہ کر ہی لیا تھا تو پھر سراج نے.......سراج الدولہ

بہادر نے اس کو تسلیم کرنے سے کیوں انکار کر دیا۔

اس لئے کہ ہمیں آپ کے دل کی خبر تھی۔

گدگدی ہوتی اندر کہیں چراغ جلتا اور پھر بجھ جاتا۔

کہیں کچھ اور بھی تھا.........لیکن کیا؟

☆☆☆

اس روز میں فرہاج کے اسکول گئی تھی کئی دن سے اس کی ٹیچر بلا رہی تھی
کہ میں اس سے آ کر ملوں فرہاج اگر چہ پریپ میں تھا لیکن اس کے
سکول میں بچوں پر خصوصی توجہ دی جاتی تھی اور شاید فرہاج کا ہوم
ورک باقاعدہ نہ ہونے کی وجہ سے مسلسل اس کی ڈائری پر لکھا جا رہا تھا
کہ وہ ہوم ورک نہیں کرتا اور والدین سے درخواست ہے کہ وہ آ کر
ملیں۔

مجھے احساس تھا کہ میں فرہاج کو وقت نہیں دے پا رہی ہوں می جی اور
پھپھو جی نہ ہوتیں تو وہ بالکل ہی رل گیا تھا مجھے تو خبر بھی نہیں تھی کہ وہ
کہاں ہے کب اس نے فیڈ لینی ہے کب سونا ہے کب اس کے
کپڑے بدلنے ہیں میں تو بس چکوری کی طرح چاند کے گرد منڈلا
رہی تھی اور چٹخے ہوئے برتن کو سنبھالنے میں ہلکان ہوئی جا رہی تھی اس
خوف سے کہ کہیں میری ذرا سی بے احتیاطی سے یہ ٹوٹ نہ جائے میں

اندر سے پیلی ہوتی جارہی تھی ارد گرد سے قطعی بے خبر ایک ہی دھن میں مگن تھی اور سراج............وہ بھی اپنے اندر کھوئے رہتے اس کی یادوں میں ڈوبے۔

سوفر ہاج نظر انداز ہو رہا تھا می.جی اور پھپھو.جی اسے ہوم ورک نہیں کروا سکتی تھیں یہ ہماری ذمہ داری تھی اور ہم دونوں ہی اس ذمہ داری کے اہل نہیں تھے۔

گو وہ ہمارا اکلوتا بیٹا تھا۔

اور ہم دونوں کو ہی بہت پیارا تھا کبھی کبھی سراج اسے گود میں لے کر گھنٹوں دیکھتے رہتے اور اس کی آنکھوں کو بے تحاشہ چومتے۔

اس کی آنکھیں بالکل ثنا جیسی تھیں۔

شاید ہم دونوں ہی ثنا کو سوچتے رہتے تھے اس لئے وہ ثنا کی آنکھیں چرا لایا تھا لیکن اس کے باوجود نظر انداز ہو رہا تھا اور اب اس کے سکول کی

طرف سے وارننگ ملی تھی کہ اگر والدین نے ٹیچر سے رابطہ نہ کیا تو اس کا نام سکول سے خارج کر دیا جائے گا سو میں اس کے سکول گئی تھی اور ٹیچر سے وعدہ کیا تھا کہ آئندہ فرہاج کا خیال رکھوں گی اور ہر ماہ کے اینڈ میں ہونے والی ٹیچر اور پیرنٹس میٹنگ میں ضرور شرکت کروں گی

کمال ہے۔ آپ خود اتنی ایجوکیٹڈ ہیں اور بچے کی طرف سے اتنی غفلت۔

ٹیچر کو حیرت تھی۔

اور میرے پاس اس حیرت کا کوئی جواب نہ تھا سو میں آئندہ آپ کو شکایت نہ ہو گی۔ کا وعدہ کر کے چلی آئی ثنا کا گھر فرہاج کے سکول کے رستے میں آتا تھا غیر ارادی طور پر میرے پاؤں بریک پر پڑے۔

آج گیٹ پر تالا نہ تھا۔

میری نظر نیم پلیٹ پر پڑی۔

ریٹائرڈ کرنل مبین احمد۔

اس سے پہلے میرا دھیان نیم پلیٹ کی طرف نہیں گیا تھا، ہاں بند گیٹ کی طرف میں نے کئی بار یہاں سے گزرتے ہوئے دیکھا تھا اور سوچا تھا کہ نہ جانے خریدنے والوں نے اسے بند کیوں کر رکھا ہے تو اس نیم پلیٹ کا مطلب یہ ہے کہ گھر فروخت نہیں کیا گیا اور عادلہ یوسف کی اطلاع غلط تھی۔

بے اختیار میں نے گاڑی لاک کی ثنا کو دیکھنے اس سے ملنے کو جی تڑپ اٹھا کیا خبر اتنے برسوں بعد وہ لوٹ آئے ہوں۔

شاید کسی یاد کی تڑپ اسے بھی کھینچ لائی ہو پتا نہیں وہ کیسی ہوگی ویسی ہی دلربا اور خوبصورت ویسی ہی معصوم اور شوخ وہی اسیر کر لینے والا حسن یا پھر.......... یا پھر کیا اس نے سراج کو بھلا دیا ہوگا۔ یا سراج کی طرح ہی ان کی یادوں کے حصار میں قید ہوگی۔

سوچتے ہوئے میں نے گیٹ سے اندر قدم رکھا۔

اور اگر جو یہاں کوئی اور ہوا تو۔؟

میں ایک لمحہ کے لئے رکی لیکن دوسرے ہی لمحے میں نے قدم آگے بڑھا دیئے مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ابھی وہ کھلکھلاتی ہوئی اپنے کمرے سے باہر نکل آئے گی اور آتے ہی میرے گلے میں بانہیں ڈال دے گی۔

اللہ نواجی کتنے دنوں بعد آئی ہیں آپ۔ سچی میں بہت اداس ہو گئی تھی آپ کے لئے بہت خراب ہیں پتا بھی ہے میں آپ کی دیوانی ہوں اور............اور.....اس نیلی ساڑھی میں کتنی پیاری لگ رہی ہیں آپ کتنی باوقار۔

خود بخود مسکراہٹ میرے لبوں پر پھیل گئی فضا میں لیموں اور امرود کی مہک تھی روش صاف ستھری تھی لان کی گھاس یوں لگتا تھا جیسے ابھی

کاٹی گئی ہو جیسے یہاں سے کبھی کوئی گیا ہی نہیں تھا جیسے ثنا اندر ہی کہیں
چھپ کر بیٹھ گئی تھی اور ہمیں دھوکا دینے کے لئے اس نے باہر سے
گیٹ لاک کروا دیا ہو اس کی ہنسی اس کی خوشبو اس کی مہک جیسے
چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی میں نے رک کر لان کی طرف دیکھا ثنا کو
پھولوں اور پودوں سے بہت پیار تھا وہ اپنا سارا فالتو وقت ان کی دیکھ
بھال میں صرف کرتی تھی اس کے لان میں بے شمار پھول تھے گلابوں
کی ہی نہ جانے کتنی اقسام تھیں جو کرنل مبین اس کی فرمائش پر دور دور
سے منگواتے رہتے تھے۔

میں نے سامنے گلاب کے کنج کی طرف دیکھا جہاں اکثر میں اور ثنا
بیٹھ کر باتیں کیا کرتے تھے وہاں کوئی سر جھکائے بیٹھا تھا۔
کون..........کرنل مبین یا..........میں اندرونی گیٹ کی طرف
جانے کے بجائے لان کی طرف بڑھ گئی اور کچھ فاصلے پر ٹھٹک کر رک

گئی۔

نہیں۔ میں نے بے یقینی سے دیکھا۔

نہیں بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔

لیکن شک کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ وہ صاحبزادہ سراج ہی تھے اردگرد سے بے خبر اپنے آپ میں مگن کسی تصور میں محو کبھی ہونٹوں پر مسکراہٹ آجاتی کبھی آنکھیں یک دم بجھ جاتیں ہونٹ بھینچ جاتے میں نے انہیں بلانے کے لئے لب کھولے پھر بند کر لیے طواف میں ہوں مجھے نہ روکو طواف میں ہوں۔

میرا جی چاہا میں جتنی خاموشی سے آئی ہوں اتنی ہی خاموشی سے واپس چلی جاؤں لیکن میرے پاؤں تو جیسے زمین نے جکڑ لیے تھے میں نے قدم اٹھانے چاہے لیکن اپنی جگہ سے حرکت نہ کر سکی میری نگاہیں یوں جھک گئیں جیسے میں کسی معبد میں کھڑی ہوں اور میری ذرا سی حرکت

سے عبادت کرنے والوں کا ارتکاز ٹوٹ جائے گا اور میری جھکی

نگاہوں نے اپنے قدموں میں پڑے سفید کاغذوں کو دیکھا وہ ہوا سے

پھڑ اپھڑ ائے تو میں نے چونک کر انہیں اٹھا لیا یہ.........یہ تو خط تھا۔

ثنا مبین کے نام خط۔

شاید سراج ثنا کو خط لکھ رہے تھے اور لکھتے لکھتے بے خبر ہو گئے

اور..........میں نے ارد گرد نظر ڈالی ذرا فاصلے پر پیڈ اور بال پین بھی

پڑا تھا۔

اور سراج اسی طرح گرد و پیش سے بے خبر کسی خیال میں گم دونوں بازو

گھٹنوں کے گرد لپیٹے گھٹنوں پر چہرہ رکھے بیٹھے تھے میں بے آواز

قدرے پیچھے ہٹ کر بیٹھ گئی خط میرے ہاتھ میں تھا۔

ثنو۔.........

کتنی بار بار سوچا تمہیں خط لکھوں تمہارے آخری الفاظ میرے کانوں

میں ہمہ وقت گونجتے رہتے ہیں تمہاری آنکھوں میں تیرتے آنسو

پھیلتے پھیلتے سمندر بن جاتے ہیں اور میں ان میں ڈوبنے لگتا ہوں تم

نے کہا تھا ثانو.......

مجھے میری نظروں میں معتبر کر دیں، ایک بار صرف ایک بار بتا دیں

آپ نے ایسا کیوں کیا........کیا آپ نے مجھ سے محبت نہیں کی تھی

میں تمہیں کیا بتاتا ثنی! مجھے تو خود پتا نہیں چلتا تھا کہ میں نے ایسا کیوں

کیا کیا بتاتا تمہیں..........ثانو، کیا بتاتا تمہیں کہ میں اندر سے بہت

چھوٹا انسان ہوں پتا ہے میں تمہیں بتایا کرتا تھا نا کہا نوا........بہت

کشادہ دل بہت سخی بہت بلند ہے۔ جب میں چھوٹا تھا تو وہ مجھے کوئی

مہربان پری لگتی تھی جو آسمانوں سے میرے آنسو پونچھے اور میرا دل

رکھنے آئی ہو۔

میں اس سے محبت کرتا تھا ثنو پتا نہیں کیوں میں اس سے ایسی محبت کبھی

نہیں کر سکا جیسی محبت میں نے تمہارے لئے اپنے دل میں محسوس کی

وہ ہمیشہ ہی مجھے اپنے سے بہت بلند لگی بہت اوپر۔ کسی اونچے تخت پر

بیٹھی دونوں ہاتھوں سے دان کرتی ہوئی اور اپنا آپ مجھے ایسا لگتا جیسے

میں کوئی بالشتیا ہوں بہت نیچے کھڑا ہوا۔

وہ ساری زندگی اونچے تخت پر بیٹھی دان کرتی رہی نوازتی رہی اور اپنی

محبتوں اور خلوص سے مالا مال کرتی رہی مجھے اور میں اس کے لئے کبھی

کچھ نہ کر سکا اور جانے کب میرے لاشعور میں یہ خواہش چھپ کر بیٹھ

گئی کہ کبھی میں بھی اس کی طرح اونچے تخت پر بیٹھ جاؤں اور اس کی

طرح سخی بن کر اسے مالا مال کر دوں اسے نواز دوں۔

میں تو خود اپنی اس خواہش سے بے خبر تھا لیکن اس روز اچانک یہ

خواہش لاشعور کے بند دروازوں سے باہر نکل آئی جب وہ تم آنکھوں

کے ساتھ ڈائننگ ہال سے اٹھ آئی تھی اور اندھیرے میں سیڑھیوں پر

بیٹھی بے آواز رو رہی تھی۔

میں جانتا تھا ثانو! وہ مجھ سے محبت کرتی ہے یہ آگاہی مجھے تمہاری محبت نے دی تھی پہلے میں اس کے اس جذبے سے باخبر نہ تھا لیکن جب میں نے خود محبت کی تو مجھے اس کی ایک ایک لمحے کی خبر رہنے لگی۔

اس کا راتوں کو جاگنا۔ مصنوعی پہاڑی کے عقب میں بیٹھ کر آنسو بہانا کچھ بھی تو مجھ سے چھپا نہ تھا وہ ہم دونوں کے لئے اپنی محبت کی قربانی دے رہی تھی اور میں .... ایسا نہیں کر سکا تھا۔

میں یہ قربانی نہیں دے سکتا تھا میں نے ایسا چاہا تھا میں نے مہینوں تم پر اپنے جذبے عیاں نہیں کیے تھے مہینوں اپنے آپ سے چھپاتا رہا تھا لیکن وہ وہ خود ہی داتا بن گئی سخی بن کر تخت پر جا بیٹھی اور جذبے عیاں ہو گئے کچھ بھی چھپا نہ رہا تو میرے لیے مشکل ہو گیا کہ میں تمہاری اور اپنی محبت کی قربانی دے سکوں۔ میں خود غرض ہو گیا لیکن اس رات

اندھیرے میں سیڑھیوں پر بیٹھی دل شکستہ نوا، میں ٹھٹک گیا پتا نہیں کیسے اور کیوں وہ خواہش لاشعور سے باہر نکل آئی اونچے تخت پر جا بیٹھنے کی خواہش۔

وہ ہمیشہ مجھے نوازتی رہی تھی میرے آنسو پونچھتی رہی تھی۔

آج میں سخی بن جاؤں اس کے آنسوؤں کو پونچھ دوں وہ حیران ہوئی تھی اور پھر لکھ لٹ بن کر میرے لیے اپنی محبت لٹانے کو تیار اس نے میری اور تمہاری وکالت کی تھی اور میں اس کی عقیدتوں سے بھیگتا جا رہا تھا اندر ہی اندر ممنونیت کے جذبوں سے سرشار ہو کر میں سر جھکانے ہی والا تھا کہ اچانک میری نظر اس پر پڑ گئی۔

وہ اونچے تخت پر سخی بن بیٹھی تھی اور میں اس کے سامنے بالشتیا تھا یکا یک وہ خواہش مجھ پر اس طرح حملہ آور ہوئی کہ میں نے اسے اونچے تخت سے اٹھا کر نیچے پٹخ دیا۔

میں بالشتیا نہیں بننا چاہتا تھا۔

لیکن لیکن کیا ہوا ثانو میں نے تمہیں بھی کھو دیا اور اونچے تخت پر بھی نہ بیٹھ سکا۔

میں تو آج بھی بالشتیا ہوں اور وہ اونچے تخت پر بیٹھی دونوں ہاتھوں سے محبتیں لٹا رہی ہے آج بھی۔

وہ تو لکھ لٹ ہے۔

داتا ہے لٹائے جا رہی ہے پانے کی طلب نہیں کی کبھی اس نے ثانو!

جانتی ہو وہ میرا کتنا خیال رکھتی ہے۔

میرے قرب کی خواہش میں تڑپتی ہے مگر قریب نہیں آتی کہ تمہاری یادیں ڈسٹرب نہ ہوں اس نے تو ایک دن بھی مجھے تم سے جدا ہونے نہیں دیا۔

وہ میرا خیال رکھتی ہے میری ضرورتوں کا میرے اندر کے حال سے

باخبر لمحے لمحے کا پتا ہے اسے وہ کسی ننھے بیمار بچے کی طرح میرا خیال رکھتی ہے تم نے پوچھا تھا ناں کیوں کیا میں نے ایسا؟ کیوں کیا میں نے اپنے ساتھ تمہارے ساتھ یہ ظلم مجھے کوئی سزا دو ثانو، میں جابر ہوں ظالم ہوں، مجرم ہوں مگر یقین رکھو ثانو! میں نے تمہیں چاہا ہے صرف تمہیں۔ تمہارا اعتبار سچا ہے تم اپنی نظروں سے معتبر ہو تمہارا گمان غلط نہیں تھا۔

میں یونہی بہت دیر تک خط ہاتھوں میں لئے ساکت بیٹھی رہی۔

یوں جیسے پتھر کی ہو گئی ہوں پھر اچانک ہی شاید سراج کو کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا کہ انہوں نے یک دم سر اٹھا کر ذرا سا چہرہ ادھر کیا لمحہ بھر کے لئے ان کی آنکھوں میں شدید حیرت نظر آئی اب کے لب کھلے پھر بند ہو گئے چہرے پر مزید زردی اتر آئی اور میرے پتھر وجود میں ان کی نظروں سے ارتعاش سا پیدا ہوا میں اٹھی اور ان کی طرف

بڑھی۔

آپ یہاں؟ انہوں نے سر جھکالیا۔

سوری نوا۔؟ آپ کے علم میں نہیں کہ میں نے یہ گھر خرید لیا تھا۔

مجھے ان سے کیوں اور کس لئے پوچھنے کی ضرورت نہ تھی، میں جانتی تھی بنا کچھ کہے ہر بات جان لی تھی میں نے نیم پلیٹ کی موجودگی۔

یہاں انہوں نے چاروں طرف دیکھا کبھی کبھار آتا ہوں اور مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ یہاں ہو۔

کبھی یہاں کبھی وہاں دکھتی ہے وہ مجھے اس کی خوشبو چاروں طرف پھیلی ہوئی لگتی ہے ایک ایک پھول ایک ایک پودے، ایک ایک پتے میں اس کا لمس محسوس ہوتا ہے مجھے جیسے وہ اپنی خوشبو اپنا وجود اپنا لمس یہاں ہی چھوڑ گئی ہو۔

وہ جیسے خواب کے سے عالم میں بہت آہستگی سے بول رہے تھے جیسے

اپنے آپ سے سرگوشیاں کررہے ہوں۔

میرا دل تڑپ اٹھا، پانی ہونے لگا میں ہولے ہولے چلتی ہوئی ان کے قریب پڑی لان چیئر پر بیٹھ گئی۔

سراج! اتنا چاہتے تھے آپ اسے؟ اتنی محبت کرتے تھے آپ اس سے پھر.........پھر کیوں اتنا ظلم کیا آپ نے کیوں کیا یہ ظلم صرف اتنی سی بات کے لئے صرف اتنی سی بات کے لئے خود پر ثنا پر اور.......اور مجھ پر۔

میں تو ان دونوں سے زیادہ تہی داماں تھی۔

ایسی سخی، ایسی لکھ داتا جس کے اپنے دامن میں کچھ بھی نہ تھا میرا دل کٹنے لگا آنکھیں دریا بن گئیں میں نے بے قراری سے سراج کا ہاتھ پکڑ کر جھنجھوڑا سراج نے خالی خالی نظروں سے مجھے دیکھا اور پھر میرے ہاتھ میں پکڑے کاغذ کے ٹکڑوں کو۔

مجھے معاف کر دونوا............مجھے معاف کر دو میں نے تمہیں اور ثنا کو دکھ دیا ظلم کیا تم پر لیکن میں نے خود اپنے اوپر بھی تو ظلم کیا۔

ان کی آنکھیں سمندر بن گئیں۔

اور انہوں نے میرے گھٹنوں پر سر رکھ دیا۔

اور مجھے اپنا دکھ اپنے نقصان بھول گئے۔

میں بھول گئی کہ میرا دامن خالی ہے اور دل ویران۔

میں ہوں نا آپ کے ساتھ۔ آپ کا دکھ بٹانے کے لئے آپ کا بوجھ اٹھانے کے لئے دے دیجئے مجھے اپنے سارے دکھ دے دیجئے۔

میں ہولے ہولے ان کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی میرا غم پس منظر میں چلا گیا ایک احساس بس ایک خیال رہ گیا انہیں سکھ دینے کا اور میرے اندر سکون اترتا چلا گیا۔

☆☆☆